صبحِ قفس

تائب نظامی

صبحِ قفس

تائبؔ نظامی

حسنِ ادب، فیصل آباد

ASIAN RESEARCH INDEX

''جملہ حقوق بحقِ شاعر محفوظ ہیں''

کتاب: صبحِ قفس

شاعر: تائب نظامی

اہتمام: ادبی تنظیم ادب قبیلہ، پاک پتن

حروف بندی: مسعود میاں 0304-0492661

ناشر: حسنِ ادب فیصل آباد

اشاعت: 2021ء

قیمت: 400

فون: 0307-4352182

ARI ID: 1689956803051

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

قطعہ تاریخ

ہر ہر سطر میں ''صبحِ قفس'' کی اُداسیاں
ہر شعر جبر و قدر کا آئنہ دار ہے
ذکرِ نوائے بلبل و صیاد ہے بجا
''صبحِ قفس'' ہے ، باغ ہے، تائبؔ بہار ہے

۲۰۲۱

شریف ساجد

انتساب

الف: حضور بابا فرید الدین گنجِ شکرؒ

کے نام

جنھوں نے مجھے اپنے قدموں میں رہنے کے لیے جگہ دی

ب: اپنے والدین مرحومین

کے نام

جنھوں نے میری پرورش کی

ج: پروفیسر نوید عاجز

کے نام

جنھوں نے اس مسودے کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا

تائب نظامی

(درصنعتِ توشیح مقفیٰ متسع)

تائب

ت۔ تجلیوں میں وہ غوطہ زن ہے
الف۔ اسی سے شاداب کشتِ فن ہے
ء۔ اسی سے زیبائیِ چمن ہے
ب۔ بہارِ گل بانگِ انجمن ہے

نظامی

ن۔ نظامِ رنگ کا وہ ''پھول بن'' ہے
ظ۔ ظہورِ الطافِ پنج تن ہے
الف۔ ادب قبیلے کا ''نورتن'' ہے
م۔ مشامِ جاں میں وہ گل بدن ہے
ی۔ یقین ساماں ، رُخِ سخن ہے

جمشید کمبوہ۔ پاک پتن شریف

ترتیب

- صبحِ قفس کا جمالیاتی پہلو — خواجہ غلام قطب الدین فریدی — 11
- تائب نظامی کی شعری کائنات — ڈاکٹر رحمت علی شاد — 14
- سخنانِ چند — سیف اللہ زاہد — 24
- معاشرتی رویوں کا شعری اظہار — دیوان تنویر نوازش صابری — 26
- دوسری قسم کا شاعر — پروفیسر لطیف اشعر — 27
- بیاضِ دل سے — تائب نظامی — 28

منظومات

- عظیم ذات ہے اُس کی، بزرگ و برتر ہے (حمد) — 31
- جمال اُن کا جہاں کے جمال سے اعلیٰ (نعت) — 33
- منقبت حضرت علیؓ — 36
- خیر النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ — 38
- اہل بیت اطہارؓ کے حضور — 39
- منقبت در شانِ مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ — 41
- منقبت در مدح بابا فرید الدین مسعود گنجِ شکرؒ — 43
- منقبت در مدح مرشد گرامی خواجہ محمد شریف چشتیؒ — 45
- بحضور استادِ محترم خواجہ غلام قطب الدین فریدی — 47

غزلیات

- اس قدر نقصان ہوتے جا رہے ہیں 51
- میں جو سوئے عیش رواں ہوا، یہ زیاں ہوا 53
- بے سبب تو نہیں شجر رویا 55
- انداز مرا حسنِ بیاں تک نہیں پہنچا 57
- زخم اپنے دکھا نہیں سکتا 59
- بھولتا ہی نہیں وہ خواب مجھے 61
- گزر رہا ہے جو قریب سے منھ آج موڑ کر 63
- گزرتا ہے تو گزرے بہار کا موسم 65
- جھکے گا غیر کے در پر تو مار ڈالے گا 67
- وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں جہاں پر یار ہوتے ہیں 69
- جو مہرباں تھے مرے اب وہ مہرباں نہ رہے 71
- جو اُجلا تن نہیں تو کیا، میں اُجلا من تو رکھتا ہوں 73
- دولت و مال و زر کا کیا کرنا 75
- کوئی طبیب ہی ایسا نہ چارہ گر کوئی 77
- میں تری موجودگی سے بے خبر 79
- ہو ملاقات جو اپنوں سے یا اغیار کے ساتھ 81
- وہ غیر سمجھے مجھے غیر ہی شمار کرے 83
- بھولنا تیرا نام مشکل ہے 85
- ہم سے درویش کوئی مال نہ زر رکھتے ہیں 87
- آج کل دل جلوں میں رہتا ہوں 89

- جس شخص کے لہجے میں ہی تاثیر نہیں ہے 91
- مزاجِ وقت دیکھو، وقت کی رفتار کو دیکھو 93
- بے قراروں سے پیار کرتا ہوں 95
- تیرے دیدار کے ہر آن مزے پاتا ہوں 97
- دکھ درد کے مارے ہوئے انسان کی صورت 99
- یہ تیر و تیغ ہیں کیا اور کمان کیا شے ہے؟ 101
- جو کام مجھے کرنے ہیں کرنے نہیں دیتے 103
- ہاتھ ہاتھوں میں دلربا دے دو 105
- بے رُخی اس قدر بھی ٹھیک نہیں 107
- خیر ہی خیر سر بہ سر ہونا 109
- دولتِ در دِیار مل جائے 111
- ہم سے وہ بدگماں نہ ہو جائیں 113
- پہنچ نہ پائے گا منزل پہ کارواں میرا 115
- وہ مرے آج مہمان ہونے لگے ہیں 117
- جو غیروں سے پیمان کرنے لگا ہے 119
- نہ میرے دل پہ مرا کوئی اختیار رہا 121
- گو نہ تم سے ملی وفا مجھ کو 123
- ضبط کو آزما رہا ہوں میں 125
- وہ جو روٹھیں گے تو ہر بار منانا ہوگا 127
- رنجشیں دُور کر بھی سکتا ہے 129
- حسرت ہی رہی مجھ پہ وہ احسان کرے گا 131
- اک شخص مرے دل میں سماتا چلا گیا 133

تم کو جو ہمیں ملنے کی فرصت نہیں ملتی	135
درد کو درد نہیں میں نے دوا مان لیا	137
کوئی بھی درمیاں حائل نہیں ہے	139
بے سہاروں کا یہاں بوجھ اُٹھانے کے لیے	141
وہ کم کم یاد رکھتا ہے زیادہ بھول جاتا ہے	143
ہم کو آخر یہ سلیقہ آ گیا	145
یہ ہم نے غور کرنا ہے یہ ہم نے سوچنا بھی ہے	147
ہے کوئی ستم ہم پہ جو ڈھایا نہیں جاتا	149
تری نظر میں رہوں، باوقار ہو جاؤں	151
اماں ملی نہ، ترستے رہے اماں کے لیے	153
باز آتے ہی نہیں لوگ دغا کرنے سے	155
مرے دل پر وہ نئے زخم لگانے آئے	157
بہت عجیب سا منظر دکھائی دیتا ہے	159
میں پابرہنہ کھڑا ہوں، ٹھٹھر رہا ہوں میں	161
درد نا آشنا کی یاد آئی	163
وہ کوئی دل ہے کہ جس میں کسی کا پیار نہ ہو	165
آسانی وسکون، فراوانی ٹال کر	167
ایمان سے وہ شخص تو ایماں کی طرح ہے	169
چاک دامان لیے، چاک گریبان لیے	172
مری نظر میں محبت وہ کامیاب نہیں	174
کیوں اس طرح کی صورتِ حالات ہو گئی	176

صبحِ قفس کا جمالیاتی پہلو

سرزمین پاک پتن کی عظمت ورفعت کے سے کیسے انکار ہوسکتا ہے۔ یہی وہ مخزن ومعدن تصوف ہے جس میں پائے جانے والے لعل وگہر کسی کو مفلوک الحال یا تشنہ لب نہیں رہنے دیتے۔ فیوض وبرکات سے مالا مال اس خطہ تحریم سے محبت کرنے والا کبھی کسی احساس محرومی کا شکار نہیں رہ سکتا۔ خواہ وہ اس سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو مگر جو سعادت منداپنے صبح ومسا دامن حضرت گنج شکرؒ کے ساتھ وابستگی میں گزار رہا ہو یقیناً اس کا طائر تخیل اوج سماء کی جانب ہر وقت محو پرواز رہتا ہے۔ تائب نظامی انھی خوش مقدر لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو ہر لمحہ مزار گنج شکرؒ کی تابش سے اپنے دل ونگاہ کو منور کیے ہوئے ہیں اور پھر خوش قسمتی سے اگر انسان شاعر اور ادیب بھی ہو تو یہاں قیام کا لطف دوآتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو جاتا ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ صاحب مزارؒ کے تلطف اور نوازش سے تائب نظامی کے شعری وادبی حوصلوں کو نیا ولولہ اور عزائم کو تخلیق کے نئے اُفق عطا ہوتے ہیں۔ صبحِ قفس ''عروض'' کی ایک ایسی دلآویز ہے جو ''گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن'' کا دل پذیر منظر پیش کر رہی ہے۔ میں اس حقیقت کا اظہار کسی تصنع یا ریا کے بغیر کر رہا ہوں کہ قدرتِ کاملہ نے اس ''تلمیذ خاص'' کو ردیف قافیہ، اوزان وبحور اور بندش الفاظ پر جو دسترس عطا کر رکھی ہے اس کی داد میرے امکان میں نہیں۔

غزلیات پر مشتمل صبح قفس کا آغاز حسب روایت حمد ونعت سے ہوتا ہے۔ شاعر ان اصناف کی نزاکتوں سے کما حقہ آگاہ ہیں۔ وہ حمد ونعت کی گہرائی وگیرائی سے اچھی طرح شناسا ہیں۔ حمد کا ایک شعر الوہیت رب کا کائنات کا کس قدر آئینہ دار ہے:

وہی تو ہے جو ہے ذات و صفات میں یکتا
ہر ایک رنگ میں بے مثل وہ سراسر ہے

اس باب میں دو آرا ہو ہی نہیں سکتیں کہ اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد سب سے ارفع و اعلیٰ کام مدح ممدوح صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم رب العالمین ہے۔ چنانچہ تائب نظامی نعت کو توشئہ آخرت سمجھتے ہوئے اس سراپا یمین وسعادت روایت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

خدائے ارض و سما جس پہ خود درود پڑھے
تو کون ہو گا پھر اس خوش خصال سے اعلیٰ

اور پھر اس شعر میں جو لطافت پائی جاتی ہے وہ عشاق کو چشم تصور میں سرزمین بطحا میں لیے پھرتی ہے:

وہ ایک لمحہ جو گزرا کبھی مدینے میں
وہ ہے بہشت کے ہر ماہ و سال سے اعلیٰ

قارئین کرام! تھوڑا سا جائزہ تائب نظامی کی غزل کا لیتے ہیں جو حقیقت میں اس کتاب کی مرکزی صنف ہے۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے جناب تائب کا مسلک صوفیا کے مسلک سے گہری مماثلت رکھتا ہے اور یہ رنگ، رنگ تغزل میں بھی نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک محبت امن کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں محبت، حسن اور خیر کے ساتھ ساتھ پاکیزگی اور روحانی ترفع کا احساس بھی نمایاں ہے۔ تائب کی غزل پڑھتے ہوئے ایک روحانی سرخوشی اور سرور کا احساس ہوتا ہے۔ ایک ایسی کیفیت جس سے گوشہ ہائے جان ودل میں چاندنی سی بکھر جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی غزل کا ایک اہم عنصر غنائیت ہے مگر آپ کے ہاں غنائیت عارضی اور وقتی نہیں جو عام طور پر شعرا اپنے عنفوانِ شباب میں دو چار تجرباتی غزلوں سے اپنے فن کو قوت و شوکت دینے کے لیے کہتے ہیں۔ غزلیات تائب کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ ادراک واضح ہوتا چلا جاتا ہے کہ تائب کے ہاں استغنا زیادہ گہرا وسیع اور مستقل رنگ لیے ہوئے ہے۔ میں نے صبح قفس کے مسودے کا بالتفصیل مطالعہ کیا ہے میں اگر اس کتاب کو خواب میں دیکھوں تو وہ گلاب، طیور، آئینوں، جام وسبو، کہکشاؤں، آبجوؤں، نشیب وفراز سے مزین گزرگاہوں اور خوشبوؤں سے مہکتے

جذبوں سے ہی مرتب ہوگا۔صبح قفس ایک آب جو کی مانند ہے جو مدھم رفتار سے بہتے ہوئے کناروں پر اٹکھیلیاں کرتے پھولوں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے ،سنگریزوں کو ہموار کرتے اور کوہ پاروں سے کترا کر نکلتے ہوئے ایسی خاموشی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے کہ اس کی بات کو سننے کے لیے ملکوتی سکوت اور سمجھنے کے لیے گداز قلب کی ضرورت ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہو:

کہاں گئی ہے وہ رُت تیری دید کی جاناں
جو دے گئی ہے مجھے انتظار کا موسم

عہد رفتہ کے خوب صورت اوقات میں پائی جانے والی یاس انگیز حسرت جذبات میں کیا تلاطم بپا کر رہی ہے۔

عجیب بات ہے یارو کہ اس بڑھاپے میں
ہے یاد آنے لگا کوئے یار کا موسم

میرے نزدیک صبح قفس کی اگر تلخیص کی جائے تو اس کا اظہار یوں کیا جا سکتا ہے۔شاعری روح کا نغمہ ہے،شاعری جذبوں کی مصوری ہے،شاعری محسوسات و تجربات کا اظہار ہے۔شاعری تخیل کی جولانیوں کا آئینہ ہے۔شاعری ان تمام صفات کی جامع ہے جو صبح قفس کے نغمے میں پائی جاتی ہے۔ایک ایسا نغمہ جو روح کی گہرائیوں میں زیرلب گنگناہٹ کی صورت دھیمے دھیمے سروں ہلکورے لینے لگتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ تخیل کی آمیزش سے الفاظ کے روپ میں اپنا وجود خارج میں دے لیتا ہے اور یہ ترتیب کچھ اتنی دل آویز اور دل نشیں ہے کہ پڑھنے والے کی روح میں بھی ایک نغمگی سی چھڑ جاتی ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تائب نظامی کے قلم کی توانائی کو ایسا ارتقا بخشے کہ وہ ارتفاع میں بدل جائے۔

دعا گو
خواجہ غلام قطب الدین فریدی

تائب نظامی کی شعری کائنات

بے سہاروں کا یہاں بوجھ اُٹھانے کے لیے
کوئی تیار نہیں اپنا بنانے کے لیے
پیار ہر ایک سے کرنا ہی مری دعوت ہے
میرا پیغام محبت ہے زمانے کے لیے

شعری مجموعہ ''صبحِ قفس'' کے خالق غلام علی متخلص بہ تائب نظامی ۴ مئی ۱۹۶۸ء کو چک تیمور شاہ تحصیل تاندلیانوالا میں پیدا ہوئے لیکن پچھلے کئی برسوں سے محلّہ عیدگاہ پاک پتن میں مقیم ہیں۔ان کی پہچان کے متعدد حوالوں میں سے ایک معتبر حوالہ یہ ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر ہیں۔وہ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کر کے ادبی حلقوں میں اپنی الگ اور منفرد پہچان بنانے میں کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ان کے نصف درجن کے قریب پنجابی، اردو شعری مجموعے تکمیلی مراحل میں ہیں جن میں تین اردو شعری مجموعے شامِ قفس، شبِ قفس، کنجِ قفس کے علاوہ ایک نعتیہ مجموعہ ''مولائے کل'' اور ایک پنجابی شعری مجموعہ ''ریت دے کوٹھے'' قابلِ ذکر ہیں۔انھوں نے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کر کے اپنی قادرالکلامی کا بین ثبوت پیش کیا ہے جن میں حمد، نعت، مناقب اور اردو پنجابی غزلیات شامل ہیں۔

چوں کہ شاعر معاشرے کا ایک حساس فرد ہوتا ہے اس لیے اپنے گردوپیش میں رونما ہونے والے واقعات وحادثات کو اور طرح سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے پھر وہی زمانے کی ناہمواریوں کو تخیل کے پر لگا کر موزوں الفاظ میں سماج کے سامنے پیش کر دیتا ہے گویا ایک طرح وہ معاشرے کا ترجمان ہوتا ہے۔اگر وہ سماج میں افلاس کا غلبہ دیکھتا ہے تو غریبوں کی آواز بن جاتا ہے، اگر حکمرانوں کا ظلم دیکھتا ہے تو صدائے احتجاج بلند کرتا نظر آتا ہے، اگر معاشرے میں اسے ظلم وستم بڑھتا نظر آتا ہے تو وہ مزاحمتی لب ولہجہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اگر محبت کا پیغام دینا مقصود ہو تو محبوب کا سراپا اس انداز سے بیان کرتا ہے جس سے حسن اور پیار کے جھرنے پھوٹنے

لگتے ہیں اوراس طرح اس کے دل سے نکلنے والی بات کی تاثیر دو چند ہو جاتی ہے بعینہٖ تائب نظامی کا کلام مذکورہ تمام خصائص کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دل کو بغیر لہجے کی تاثیر کے مسخر نہیں کیا جا سکتا ہے بقول شاعر:

جس شخص کے لہجے ہی میں تاثیر نہیں ہے کر سکتا کسی دل کو وہ تسخیر نہیں ہے

حالات کی تنگی، ظلم وستم، بربریت، دہشت گردی، افلاس، جان و مال کی حفاظت اور عزت و ناموس کی رکھوالی حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے۔ حاکمانِ وقت کو متنبہ کرتے ہوئے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ عوام الناس کی نگہ بانی تم پر لازم ہے اور ان کی خستہ حالتِ زار کے ذمہ دار بھی تم ہی ہو۔ لکھتے ہیں:

مزاجِ وقت دیکھو، وقت کی رفتار تو دیکھو لکھا ہے کیا سرِ دیوار، تم دیوار تو دیکھو
اے حاکم تجھ پہ لازم ہے نگہ بانی رعایا کی کہ اس کی مفلسی اور اس کا حالِ زار تو دیکھو

تائب نظامی خود بھی ایک درویش صفت انسان ہیں اسی لیے وہ اپنے جیسوں کو زیادہ عزت دیتے ہیں۔ یہ بات ان کی جبلت میں شامل ہے کہ احترام انسانیت ضروری ہے مگر امیر کبیر، دولت مندوں اور زرداروں سے دور بھاگتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

میں تو بس دور ہی رہتا ہوں ہمیشہ ان سے میری بنتی جو نہیں زر سے نہ زردار کے ساتھ

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

دولت و مال و زر کا کیا کرنا ہم فقیروں نے گھر کا کیا کرنا

تائب نظامی دراصل ان حکمرانوں کے خلاف سینہ سپر رہتے ہیں جو عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے، جو نظام میں اصلاح لانے کی بجائے بگاڑ کا سبب بنتے ہیں جنھیں عوام الناس سے کوئی سروکار نہیں بلکہ انھیں اپنے پیٹ سے غرض ہے جو اپنے مفاد کی خاطر لوگوں کی جانوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور جنھیں خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے، موسموں کی شدت کو برداشت نہ کر سکنے والے اور سخت سردی کی لپیٹ میں آئے ہوئے پا برہنہ اور ٹھٹھرنے والے لوگ نظر ہی نہیں آتے۔ اس حوالے سے تائب نظامی رقم طراز ہیں:

میں پا برہنہ کھڑا ہوں، ٹھٹھر رہا ہوں میں کہ موسموں کے تغیر سے مر رہا ہوں میں

اتنی غربت اور افلاس کے مارے لوگ جنھیں زندہ رہنے کے لیے دو وقت کی روٹی کے

لالے پڑے ہوں، روزی اور روزگار کی بدولت وہ اپنی زندگی سے تنگ ہوں اور طرح طرح کے غموں نے انھیں گھیر رکھا ہو؛ جو ایسے دگر گوں حالات اور غموں سے نبرد آزما ہوں وہ کریں تو کیا کریں؟ بقول شاعر:

جو کام مجھے کرنے ہیں، کرنے نہیں دیتے　　حالات مجھے غم سے نکلنے نہیں دیتے

تائب نظامی چوں کہ معاشرے کے ایک حساس فرد ہیں اس لیے انھیں چھوٹی چھوٹی معاشرتی ناہمواریاں بھی مضطرب کر دیتی ہیں۔ وہ تو ایک پیار کرنے والے اور محبت کا پرچار کرنے والے شاعر ہیں اسی لیے دکھوں دردوں کے باوجود انھوں نے محبت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور درِیار پہ دربان بننا پسند کیا ہے اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

دکھ درد کے مارے ہوئے انسان کی صورت　　بیٹھا ہوں درِ یار پہ دربان کی صورت

تائب نظامی چوں کہ معاشرے کے حساس فرد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک محبت کرنے والے انسان بھی ہیں۔ دکھی انسانیت کی خدمت اور محبت کا پرچار ان کی جبلت میں شامل ہے اسی لیے وہ بے قراروں، غم کے ماروں اور اپنے یاروں سے ہمہ وقت پیار بانٹتے نظر آتے ہیں:

بے قراروں سے پیار کرتا ہوں　　غم کے ماروں سے پیار کرتا ہوں

بانٹ لیتا ہوں درد یاروں کے　　اپنے یاروں سے پیار کرتا ہوں

تائب نظامی کی ذات کے فکری حوالوں میں سے ایک معتبر حوالہ چوں کہ محبت ہے اس لیے وہ طاقت سے زیادہ محبت کے قائل نظر آتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل طاقت پیار کی ہے۔ محبت اور خلوص سے حاصل کی جانے والی چیز ہی اصلی سرمایہ ہوتی ہے۔ وہ محبت اور الفت کو جرم کی بجائے زندگی کی اصل روح گردانتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

منصفو! میرا جرم الفت ہے　　جو بھی چاہو مجھے سزا دے دو

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بنیاد ہی محبت پہ رکھی ہے اور محبت کا یہ جذبہ انسانوں کے علاوہ تمام مخلوقات میں بھی کم یا زیادہ موجود ضرور ہے یہ جذبہ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص انسان کی جبلت میں ودیعت کر دیا ہے۔ انسان جب بھی کوئی کام پورے خلوص اور محبت سے سرانجام دیتا ہے تو اس کی تاثیر دوچند ہو جاتی ہے اس طرح اس کے فوائد اور ثمرات مثبت اور دوررس ثابت ہوتے ہیں۔ محبت کا یہی مادہ تائب نظامی کی سرشت میں بھی شامل ہے؛ علاوہ ازیں وہ بتاتے ہیں کہ محبوب کی محبت غیر محسوس

طریقے سے ان کے دل میں سما چکی ہے بلکہ وہ پوری طرح اپنے پیار کی جوت جگا چکا ہے؛ پیار کی اسی جوت کو جب وہ یاروں میں بیان کرنا شروع کرتے ہیں تو سب سن کر رونے پہ مجبور ہو جاتے ہیں:

اک شخص میرے دل میں سماتا چلا گیا — اور پیار کی وہ جوت جگاتا چلا گیا
تائبؔ نے اک روز جو یاروں کے درمیان — چھیڑی تھی داستاں تو رُلاتا چلا گیا

جب انھیں محبوب کا وصل نصیب نہیں ہوتا تو بھی وہ مایوس نہیں ہوتے بلکہ تصور میں محبوب کے وصل اور دیدار کے مزے لینے لگتے ہیں اور ہاں بعض اوقات وہ خود ہی محبوب کے ساتھ ملاقات سے گھبراتے ہیں تا کہ زمانے والے محبوب کے خلاف باتیں نہ بنائیں۔ لکھتے ہیں:

تیرے دیدار کے ہر آن مزے پاتا ہوں — دیکھنے تجھ کو تصور میں چلا جاتا ہوں
نہ بنا پائیں فسانے یہ زمانے والے — سو ترے ساتھ ملاقات سے گھبراتا ہوں

محبوب کے حسن و جمال اور سراپے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ترے حسن اور خد و خال کے سامنے یہ تیر و کمان اور تیغ کیا چیز ہیں؟ محبوب کے حسن و جمال پر وہ ایک جان کیا ایسی ہزاروں جانیں قربان کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں:

یہ تیر و تیغ ہیں کیا اور کمان کیا شے ہے — تری نظر کے مقابل یہ جان کیا شے ہے
ہزار جان سے تجھ پر نثار میں جاناں — تری خوشی ہے تو پھر ایک جان کیا شے ہے

لیکن جب محبوب بے رُخی برتتا ہے تو ان کی حالت غیر ہو جاتی ہے بلکہ ان کے دل میں غموں کے طوفان بپا ہونے لگتے ہیں؛ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

تری بے رُخی سے مرے دل میں ظالم — بپا غم کے طوفان ہونے لگے ہیں

وہ محبوب کی بے رُخی کسی صورت برداشت نہیں کر پاتے بل کہ وہ اپنی زندگی کے قرار کے لیے دولتِ دردِ یار کے متمنی نظر آتے ہیں علاوہ ازیں ان کی شدید خواہش رہی ہے کہ وقتِ رخصت محبوب ایک بار مل ہی لے۔ لکھتے ہیں:

دولتِ دردِ یار مل جائے — زندگی کو قرار مل جائے
وقتِ رخصت ہے اب خدا کے لیے — ہم سے وہ ایک بار مل جائے

تائب نظامی کے کلام میں جہاں فکری تنوع نظر آتا ہے وہاں ان کے ہاں فنی حوالے بھی بکثرت ملتے ہیں ان کی شاعری کھنکتے قافیے، اُچھوتے ردیف، معروف ضرب الامثال، محاورات

کا برمحل استعمال ، انوکھی تشبیہات واستعارات ، نادر تلمیحات اور منفرد تراکیب دیکھی جاسکتی ہیں ؛چوں کہ تائب نظامی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اس لیے ان کے کلام میں جتنے بھی فنی وفکری حوالے ملتے ہیں ان میں تصنع بالکل نظر نہیں آتا جو ان کی ریاضت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مذکورہ چیزیں حسنِ کلام کا زیور اور شاعری کی جان ہوتی ہیں جن کی بدولت کلام میں نکھار اور پختگی کا عمل نظر آتا ہے۔ فنی حوالے سے انگوٹھی میں نگینہ جڑنے کے مترادف ہوتے ہیں۔تائب نظامی کے کلام میں سادہ اور عام فہم اشعار شامل ہیں۔بعض شعرا اپنی علمیت ظاہر کرنے کے لیے شعوری کوشش سے مشکل اور بھاری بھرکم تراکیب استعمال کرتے ہیں لیکن تائب نظامی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پیچیدہ تراکیب اور مشکل خیالات کو اتنی عمدگی سے بیان کیا ہے کہ شعری حسن میں کہیں کوئی ابہام اور سقم نظر نہیں آتا۔ وہ دولفظی اور کہیں کہیں سہ لفظی تراکیب بڑی چابک دستی سے اپنے کلام میں سموتے چلے جاتے ہیں ۔ ''صبحِ قفس، پسِ زنداں، تہی داماں، بارگراں، نوکِ سناں، شہرِ خموشاں ، خارِ مغیلاں، چشمِ تر، رگِ جاں، رازِ زندگی، محوِ نالہ، فصل بہار، باعثِ امتحاں، قدرِ مشترک، قلبِ ناتواں، غمِ ہجر، بارگاہِ عشق، پیغامِ محبت، عزلت نشیں، میر کارواں، مذہب عشق، خانماں خراب، وقتِ رخصت، سنگ آستاں، حسنِ بیاں، رنگِ سخن اور درِ دنہاں جیسی متعدد تراکیب بڑی روانی کے ساتھ اپنے کلام میں سموتے چلے جاتے ہیں مثلا! ایک جگہ پر وہ اپنے رنگِ سخن کا ذکر کرتے ہوئے عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ چاہے لوگ ستاروں سے آگے پہنچ چکے ہیں لیکن کوئی بھی مرے درِ دنہاں تک نہیں پہنچ سکا۔ لکھتے ہیں:

انداز مرا حسنِ بیاں تک نہیں پہنچا   جو رنگِ سخن خوب ہو واں تک نہیں پہنچا

تائب نظامی نے اپنے کلام میں بہت سی جگہوں پر سہ لفظی تراکیب بھی برتی ہیں۔ باعثِ تسکینِ دل، صورتِ پرنور، دلِ داغ دار، حسنِ ستم گر، حالِ دلِ زار، کثرتِ مال وزر، دولتِ درِ دیار، پابندِ رنگ وذات، دلِ پُرسکون، تسکینِ جسم وجاں، دستورِ زباں بندی، شوقِ دید حرم اور شوقِ کوئے بتاں جیسی متنوع تراکیب ان کی جودتِ طبع کے ساتھ ان کی قادرالکلامی کا بین ثبوت ہیں۔ لکھتے ہیں:

مجھے شوقِ دیدِ حرم نہیں یہ ستم نہیں   مجھے شوقِ کوئے بتاں ہوا، یہ زیاں ہوا

سہ لفظی تراکیب کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں جس میں انھیں دستورِ زباں بندی کی بدولت اپنا شہر؛شہرِ خموشاں دکھائی دے رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

دستورِ زُباں بندی یہاں جب سے ہے نافذ　　یہ شہر مرا شہرِ خموشاں کی طرح ہے

تابؔ نظامی کے کلام میں زورِ بیاں کے ساتھ مٹھاس اور لطفِ بیاں کا حسن بھی نمایاں ہو گیا ہے ان کی شاعری میں محاورے کا استعمال اس فطری پیرائے میں ہوا ہے کہ محاورہ؛ کلام کا جزولاینفک بن گیا ہے۔ان کے ہاں فصاحت و بلاغت کی پاسداری، روزمرہ اور محاورہ کے برمحل استعمال سے زبان و بیان میں چاشنی کا عنصر در آیا ہے۔ان کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جو مصرعوں کی روانی، سادگی وسلاست، زبان کی نفاست اور خیال کی ارفعیت جیسی خصوصیت سے معمور ہیں۔انھوں نے اپنے کلام میں دامن نچوڑنا، سر جوڑ کہ بیٹھنا، دل توڑنا، سر پھوڑنا، جان سے گزرنا، جان کے دشمن ہونا، جام چھلکنا، دل بھرنا، کم ظرف ہونا، بات بننا، دربدر ہونا، دامن چھڑانا، بدگمان ہونا، گھر جلانا، بجلی گرنا، جان قربان کرنا، جان کا دشمن بننا، وفا نبھانا، صدمے اُٹھانا، بوجھ اُٹھانا، جان سے گزرنا، دل میں سمانا، جوت جگانا، آگ لگانا، اپنا بنانا، حقیقت چھپانا، احسان جتانا، بے قرار ہونا، زخم بھرنا، ناز اُٹھانا اور خاک اُڑانا جیسے معروف اور متعدد محاورات کا استعمال کیا ہے۔مثلاً ایک جگہ پر وہ خاک اُڑانا جیسے محاورے کو استعمال کرتے ہوئے اپنے دل کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

کیا گزرتی ہے دل پہ اے تابؔ　　خاک اپنی اُڑا کے دیکھ لیا

ایک اور جگہ پر ناز اُٹھانا جیسے محاورے کا استعمال دیکھیے۔لکھتے ہیں:

کیا ہوا تجھ کو ترا یار اگر چھوڑ گیا　　میں تو حاضر ہوں ترے ناز اُٹھانے کے لیے

تابؔ نظامی عرصۂ دراز سے سفرِ فکر وسخن میں مستغرق ہیں۔وہ تاحال جواں جذبوں پر مشتمل غزل کی طلسماتی دنیا میں محوِ پرواز ہیں۔تغزل کی چاشنی، رمزیت کی خوبی، فکر کی گہرائی، احساس کی لطافت، خیال کی عظمت، جمالیاتی رعنائی، حرف وصورت کی چاشنی، غنائیت کی زمزمہ پردازی اور معنویت کی شگفتگی وتازگی جیسی صفات ان کے اسلوب وآہنگ کی ترجمان ہیں۔بعض اوقات غزل میں علامتی و استعارتی اور تلمیحاتی نظام ترسیل معنی اور ابلاغ میں مشکل کا باعث بنتا ہے لیکن تابؔ نظامی کے ہاں تمام علامتیں اور تلمیحات اس انداز سے آئے ہیں کہ ابلاغ کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا۔انھوں نے اپنے کلام میں حضرت شبیرؓ، شامِ غریباں، منصور، لیلیٰ، فرہاد، زلیخا، یوسفِ کنعان، مسیحا اور قیس جیسی معروف تلمیحات بڑے برجستہ انداز میں برتی ہیں۔مثلاً:

اے قیس! ترا چاکِ گریبان جو دیکھا　　یہ چاک مرے چاکِ گریباں کی طرح ہے

ایک اور جگہ مسیحا جیسی تلمیح کا استعمال دیکھے جس میں وہ مسیحا کو ڈھونڈ کے لانے کا کہہ رہے ہیں کیوں کہ ان کے بغیر بچنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہا۔ لکھتے ہیں:

اب جاؤ مسیحا کو مرے ڈھونڈ کے لاؤ　　کچھ اور مرے بچنے کی تدبیر نہیں ہے

شاعری کے لیے تائب نظامی کی طبع موزوں ہے کیوں کہ جب وہ شعر لکھنے بیٹھتے ہیں تو خیال کی دیوی ان کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے جس سے پھر وہ اپنے تخیلات کو موزوں الفاظ کا پیراہن عطا کر کے شعری قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے کلام میں فکری تنوع کے ساتھ ساتھ فنی حوالے بھی جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں انھوں نے اپنے کلام میں متعدد ضرب الامثال بھی برتی ہیں تا کہ اپنے کلام میں خوب صورتی اور نکھار پیدا کیا جا سکے مثلاً: ''جو بوؤ گے وہی کاٹو گے'' جیسی ایک ضرب المثل کا برجستہ استعمال بطور نمونہ دیکھیے۔ لکھتے ہیں:

یہ ہم نے غور کرنا ہے ، یہ ہم نے سوچنا بھی ہے
جو ہم نے آج بونا ہے ، اسے کل کاٹنا بھی ہے

تائب نظامی کی شاعری میں زندگی کے تمام رنگ موجود ہیں۔ ان کے کلام میں نہ صرف غمِ جاناں کا ذکر ملتا ہے بل کہ ان کے ہاں موضوعات کا تنوع دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں چھوٹی بڑی ہر دو طرح کی بحور استعمال کی ہیں۔ سادگی اور سلاست ان کی شاعری کا بنیادی تشخص ہے۔ وہ پیچیدہ اور گہری باتوں کو بھی رواں اور عام فہم انداز میں اس سلیقے سے بیان کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ سہلِ ممتنع میں لکھنا ان کی جبلت میں شامل ہے۔ وہ طویل بحروں میں لکھنے کا فن بھی جانتے ہیں لیکن چھوٹی بحروں میں لکھنا ان کا اختصاص ہے۔ سہلِ ممتنع کی یہ مثال ملاحظہ فرمایئے جس میں وہ یہ بتا رہے ہیں کہ میں اپنے زخم دکھا کر تماشا نہیں لگا سکتا۔ میں خود تو رو سکتا ہوں لیکن کسی کو رُلانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ لکھتے ہیں:

زخم اپنے دکھا نہیں سکتا　　یہ تماشا لگا نہیں سکتا
رو تو سکتا ہوں عمر بھر تائبؔ　　میں کسی کو رُلا نہیں سکتا

سہلِ ممتنع کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں جس میں وہ محبوب کے بدگمان ہونے اور اپنی کوششوں کے رائیگاں ہونے پر خائف نظر آتے ہیں؛ علاوہ ازیں وہ اپنے اشکوں کو روکے ہوئے ہیں تا کہ رواں نہ ہو جائیں۔ سہل ممتنع کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

ہم سے وہ بدگماں نہ ہو جائیں کوششیں رائیگاں نہ ہو جائیں
اپنے اشکوں کو کب تلک روکوں خوف یہ ہے رواں نہ ہو جائیں

شعر میں ایک لفظ دو یا دو سے زیادہ بار آئے تو اسے تکرار کہا جائے گا۔ تکرار کلام میں صوتی آہنگ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے جس سے غنائیت اور موسیقیت کا عنصر اُبھرتا ہے۔ تابؔ نظامی نے اپنی شاعری میں تکرارِ لفظی کی متعدد صورتیں برتی ہیں۔ صنعت تکرار کے استعمال میں انھوں نے جس مہارت اور فنی خوش ذوقی کا مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے مثلاً درج ذیل شعر میں لفظ بار کی تکرار دیکھیے:

تری بے رُخی کا جو بار تھا وہ نہ سہہ سکا یہی بار، بارِ گراں ہوا، یہ زیاں ہوا

صنعتِ تکرار کی اور دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

درد کو درد نہیں میں نے دوا مان لیا ہے زہر کو زہر نہیں میں نے شفا مان لیا ہے
وہ کم کم یاد رکھتا ہے زیادہ بھول جاتا ہے ہمیشہ کر کے وعدہ اپنا وعدہ بھول جاتا ہے

جب کلام میں تکلف اور تصنع نہ ہو اور شعر عام فہم اور سادگی کا عنصر لیے ہوئے ہو تو شعر کی اس خوبی کو بے ساختگی کا نام دیا جاتا ہے۔ تابؔ نظامی نے اپنی شاعری میں کبھی جذبے سے، کبھی استفہام سے، کبھی تحسین وآفرین سے اور کبھی سوز وگداز سے بے ساختگی کا عنصر کشید کرنے کی عمدہ کاوش کی ہے۔ بے ساختگی اور استفہام پر مبنی اشعار ان کے کلام میں بکثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

جس سے تابؔ نہ فیض حاصل ہو ایسی چوکھٹ کا، در کا کیا کرنا؟

بے ساختگی اور استفہام کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں جس میں وارفتگی کی ایک خاص کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ جانے والے نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس کے چلے جانے سے کوئی مر بھی سکتا ہے۔ بقول شاعر:

جانے والے نے کیوں نہیں سوچا؟ اس طرح کوئی مر بھی سکتا ہے

مذکورہ بالا کیفیت پر مبنی ایک اور مثال دیکھیے:

جانے کیوں بے وفا وہ یاد آیا جانے کیوں بے وفا کی یاد آئی؟

تابؔ نظامی کے کلام میں داخلی اور خارجی کیفیات کے علاوہ تہذیبی وثقافتی پہلو بھی جلوہ گر ہیں۔ ان کے مطالعے اور گہرے مشاہدے کی بدولت ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات کا تعلق زیادہ تر معاملہ بندی، معاشرے میں

موجود مختلف طبقات کے مابین تفاوت اور معاشرتی اونچ نیچ ہے۔انھوں نے معاشی عدم مساوات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غربت اور افلاس کو قریب سے نہ صرف دیکھا بل کہ اپنی جان پر محسوس بھی کیا۔اسی وجہ سے ان کے کلام میں سوز و گداز کا پہلو بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔انھوں نے متعدد جگہوں پر اپنے کلام میں تضاد کی کیفیات پیدا کر کے نہ صرف اپنے کلام کو خوب صورتی عطا کی بل کہ قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔صنعتِ تضاد کا استعمال ان کے کلام میں حسن پیدا کرنے کا سبب بنا ہے۔مثلاً ایک جگہ پر اُنھوں نے یار اور دشمن، پھول اور خار جیسے الفاظ استعمال کر کے تضاد کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔لکھتے ہیں:

موسم گل ہو خزاں ہو کہ بہاریں تائبؔ　　اپنی تو ذات میں ہم پھرتے ہیں زندان لیے

تائبؔ نظامی نے فنی حوالے سے اپنی شاعری میں متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ انھوں نے غزلیات کے علاوہ حمد، نعت اور مناقب وغیرہ بھی لکھے ہیں؛ جس سے انھوں نے اپنے فن اور امکانات کو واضح کیا ہے۔ایک جگہ پر وہ اللہ رب العزت کی عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی ہم سر ہے اور نہ ہی کوئی ثانی۔لکھتے ہیں:

عظیم ذات ہے اس کی بزرگ و برتر ہے　　نہ کوئی ثانی ہی اس کا نہ کوئی ہم سر ہے

تائبؔ نظامی نے جہاں دیگر متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے وہاں انھوں نے خوب صورت نعوت بھی تخلیق کی ہیں۔نعت چوں کہ نبی کریمؐ سے والہانہ محبت اور عشق کا اظہار ہے اس لیے تائبؔ نظامی نے نعت جیسے بابرکت اور حساس موضوع پر بھی اپنی چاہتوں کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ بظاہر نعت کا موضوع حضور نبی مہرباںؐ کی مدح و ستائش کے گرد گھومتا ہے مگر اس کے اندر خلقِ رسول سے اخلاقِ رسولؐ تک موضوعات کا ایک طویل سلسلہ پنہاں ہے۔آپؐ کی جامع صفات اور حیاتِ مقدسہ کے حوالے سے نعت کا موضوع بے پناہ وسعت کا حامل ہے۔تائبؔ نظامی کے کلام میں وارفتگی کا عمل نمایاں ہے۔ بے پناہ محبت اور عقیدت سے لبریز نعتیں اپنے اندر بے پناہ اثر آفرینی اور عصری حقائق رکھتی ہیں۔ نبی کریمؐ کے بے مثل ہونے اور ان کے حسن و جمال کے حوالے سے تائبؔ نظامی رقم طراز ہیں:

جمال ان کا جہاں کے جمال سے اعلیٰ　　کمال ان کا جہاں کے کمال سے اعلیٰ
مرے حضورؐ کی کوئی مثال کیا دے گا　　کہ یہ وہ ذات ہے جو ہے مثال سے اعلیٰ

تکریم انسانیت پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ تائب نظامی کی شاعری کا بنیادی منطقہ احترام انسانیت ہے۔ انھوں نے حمد اور نعوت کے علاوہ مناقب بھی تخلیق کیے ہیں۔ انھوں نے حضرت علی، خیر النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ، اہلِ بیت اطہار کے حضور، مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ، بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، خواجہ محمد شریف چشتی اور خواجہ غلام قطب الدین فریدی جیسی معروف شخصیات کے مناقب لکھ کر نہ صرف اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے بل کہ منقبت نگاروں میں بھی اپنا نام شامل کروالیا ہے۔ اہلِ بیت اطہار کے حضور پر لکھی جانے والی منقبت کا صرف ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

دیں کو ملی جلا ہے درِ اہلِ بیت سے　　زندہ ہوئی وفا ہے درِ اہلِ بیت سے

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے حوالے سے لکھی جانے والی منقبت کا بھی ایک شعر ملاحظہ فرمائیے:

محشر کا کوئی خوف نہ دوزخ ہی کا ڈر ہے　　جب پیر مرا گنج شکر، گنج شکر ہے

تائب نظامی کے کلام میں فنی وفکری پختگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں وہ تمام خصائص موجود ہیں جو انھیں اعتبار بخشنے کے لیے کافی ہیں اسی لیے ان کو روشن امکانات کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں اپنے عصری شعری رویوں سے قدرے مختلف اور منفرد لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔ ان کے ہاں رومانیت اور معاملہ بندی کے حوالے سے تفکر اور مشاہدات کا منظرنامہ دیکھا جاسکتا ہے جس سے ان کا فکری کینوس وسیع تر ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ ان کا طرزِ احساس اور ان کی لفظیات دیگر شعرا سے قدرے مختلف اور منفرد محسوس ہوتی ہیں۔ ان کے کلام میں فکر وفن کی آمیزش میں بھی ایک قرینہ نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں موجود محاسن ادبی حلقوں میں ان کو ایک نمایاں مقام عطا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں گے۔

میرا تائب مزاج موزوں ہے　　میں بڑے شاعروں میں رہتا ہوں

پروفیسر ڈاکٹر رحمت علی شادؔ

پرنسپل!

گورنمنٹ ڈگری کالج (بوائز)، کمیر ٹاؤن، ساہیوال

☆☆☆☆☆☆☆

سخنانِ چند

عصرِ حاضر میں محبت کی ندرت اور مشاہدے کی گہرائی کے ساتھ اپنے خارج و باطن میں جھانک کر اور حرف و معانی سے اپنے والہانہ لگاؤ سے فنِ شعر سے وابستگی رکھنے کی روایت کس مقام پہ ہے اس کو نقد و نظر کی دنیا کے امام ہی بہتر جانتے ہیں لیکن اس گئے گزرے دور اور عہدِ ناپُرساں میں قلم و قرطاس سے اپنا رشتہ مضبوطی سے قائم رکھنے والوں میں جو اہلِ قلم میں اپنے ہونے کا یقین کامل دلاتے ہیں ان میں تائب نظامی کا نام اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے۔

ان کے اشعار میں ہمارے تہذیبی معاشرتی اور فکری رویوں کی بازگشت بڑی نمایاں ملتی ہے۔ گرد و پیش کی زندگی اور اس کا منظر نامہ ان کے ہاں ایک فکری رنگ میں یوں سامنے آتا ہے کہ ہم خود شاعر کے فی بطنہٖ موجود احساسات کے ساتھ خود کو ہم آمیز پاتے ہیں۔ فنی و فکری التزامات ہوں یا سہلِ ممتنع کے انداز میں شعر گوئی تائب نظامی اس کائنات میں اپنی ریاضتِ فن کے جوہر دکھلاتے نظر آتے ہیں انسانوں کی زندگی پر انسانوں ہی کے ستم، بے رُخی اور اجارہ داریوں کے زخموں کا بیاں ہو، محبتوں کی ناسپاسی اور بے قدری کا ذکر ہو یا معاشرتی رویوں کے ہاتھوں انسانوں کے آنسوؤں کا تذکرہ ہو، یہ سب ان کی شاعری کا حسن بیاں ہے۔ سیاست کے مکروہ جہاں کے اندھیروں میں لوٹ کھسوٹ کا عالم ہو یا گئے زمانوں کی محبتوں کے مزار پہ اپنے اشکوں کا نذرانہ عقیدت ہو تائب نظامی کے ہاں ایک سلجھی ہوئی علمی روایت کے دیپ روشن نظر آتے ہیں۔

ان کے ''صبحِ قفس'' میں حمد و نعت کے پھول ہوں یا منقبت اہلِ بیت و صحابہ کرامؓ کے روشن دیپ ہوں ان کی ارادت و عقیدت ''قربان جایئے'' کا رُوپ لیے اپنا اظہار کرتی ہے۔ اُن کی غزل عہدِ حاضر کی غزل کی بھرپور آئنہ داری کرتی ہے اور ان کی نظموں میں نظم کی روایت اپنی معاصر روایت کا تتبع (پیروی) کرتی دکھائی دیتی ہے۔

۹۰ء کی دہائی سے ہم دونوں کی رفاقت اوران کی شعر گوئی کی روایت سے گہری وابستگی جس طرح آج بھی زندہ اور پائندہ ہے اس کی ہمیشگی کی دعائیں میرے لبوں پہ ہیں ان کی شخصیت کا محبت بھرا اسلوب اور وضع دارانداز ان کے سارے احباب میں اپنی طرز کی منفرد مثال ہے۔ میں ہمیشہ سے ان کی شاعری کا قدردان اوردل دادہ رہا ہوں۔ان کے شعروں کا بانکپن ہو یا نزاکت فنی کا کوئی التزام ہو میں اس کی ضرور داد دیتا ہوں ان کے محبت بھرے گداز اشعاران کے دوستوں میں بار ہا پڑھے جاتے ہیں اوران پہ جس والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ ان کی شعر سے محبت کی عظمت کا بھرپور اظہار ہوتے ہیں مضافات میں رہتے ہوئے بھی ان کی غزلیات اورنظموں کا ملک کے معروف جرائد میں اشاعت پذیر ہونا ان کے قادرالکلام شاعر ہونے کا مظہر ہے۔

''صبحِ قفس'' کا ایک ایک شعر میرے اس محبت بھرے اظہاریئے کا منہ بولتا ثبوت ہوگا کہ یہ اشعار دلوں میں اُتر کر روشنی بن کر جگمگائیں گے اور گردوپیش کو رُشنانے اور مہکانے میں اپنے حصّے کا کردار ادا کریں گے ان کے اشعار دلوں کو گداز اور روح کو تازگی بخشنے میں اوراپنی بے مثال تاثر پذیری کے باعث ہمارے عہد کے عصری شعور کی بھرپور نمائندگی کریں گے۔

سیف اللہ زاہد

جنرل سیکرٹری ''بزم اسیر عابد'' گوجرانوالہ

معاشرتی رویوں کا شعری اظہار

تائب نظامی کا بچپن ہی سے حجرۂ صابری سے تعلق ہے۔ بنابریں میں ان کو اور ان کی شاعری کے مزاج کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان کے عجز نے ان کی شخصیت اور سہل ممتنع میں شاعری نے ان کو ممتاز شعرا کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔

ان کی شاعری میں غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں کا بھی بھرپور تذکرہ موجود ہے۔ خارجی اور داخلی جذبات و احساسات کو بھی بڑے خوب صورت انداز میں موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔

ایک شاعر کو معاشرے کے جن رویوں کا علم ہونا چاہیے اُن رویوں کا تائب نظامی کو بدرجہ احسن ادراک ہے۔ دعا گو ہوں کہ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''صبحِ قفس'' مقبولِ خواص و عوام ہو۔ نمونے کے طور پر ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ہر صبح مری صبح قفس جیسی ہے تائب
ہر شام مری شامِ غریباں کی طرح

دیوان تنویر نوازش صابری

حجرہ صابری

تاندلیانوالہ

دوسری قسم کا شاعر

ہمارے ہاں کثرت ایسے شعرا کی ہے جو زبردستی شعر کہتے ہیں اور بہت کم شعرا ایسے ہیں جو زبردست شعر کہتے ہیں۔تائب نظامی کا شمار دوسری قسم کے شعرا میں ہوتا ہے جن کے ہاں غیب سے آنے والے مضامین پوری قلبی صداقتوں کے ساتھ لفظی پیرہن میں جلوہ گر ہوتے اور اپنا اثر چھوڑے چلے جاتے ہیں۔تائب بیک وقت پیش و پس منظر پر گہری نظر رکھنے والا شاعر ہے جو محض ظاہری چیزوں کو موضوع بنانے کے بجائے پس پردہ عوامل کا عمیق مشاہدہ کرتا ہے اور یہی مشاہدہ ایسے اشعار کو جنم دیتا ہے جنھیں حقیقی معنوں میں اشعار کہا جا سکتا ہے۔

تائبؔ نظامی ہمہ وقت حالتِ فکر میں رہنے والا ایک صوفی قسم کا شاعر ہے جس کے ہاں خیالات نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ تشکیل پاتے ہیں۔اُس کی تخلیق کے پیچھے جہاں اساتذہ سخن سے اکتسابِ فیض کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہیں اُس کا تنقیدی شعور بھی پوری طرح کارفرما نظر آتا ہے۔تنقید کی سان پر گزرنے کے بعد کاٹ دار اور فکری گہرائی کے سبب اس کا کلام پُر تاثیر ہو جاتا ہے۔صبحِ قفس میں آپ کو ایسے اشعار ملیں گے جو پڑھتے ہی دل میں اُترتے محسوس ہوں گے۔سچے جذبوں سے گندھی یہ کتاب تائبؔ کے اُن تجربات کا مجموعہ ہے جنھیں زندانِ زیست میں قید ہونے کے بعد لمحہ بہ لمحہ اُس نے دیکھا اور محسوس کیا۔

تائب کے ہاں استحصالی نظام کے خلاف ایک جدوجہد دکھائی دیتی ہے۔انسانی بے بسی، ناانصافی، عدم مساوات اور اخلاقی زبوں حالی کے نقوش اُن کے کلام میں نمایاں ہیں۔یوں تو تائب نے حمد، نعت اور منقبت بھی کہی ہے مگر ان کا اصل میدان غزل ہے۔اُنھوں نے نہ صرف غزل کی آبرو رکھی ہے بلکہ گلشنِ سخن میں نت نئے رنگوں کی ایسی بہار دکھائی ہے جس کی تروتازگی تادیر برقرار رہے گی۔

پروفیسر لطیف اشعر

گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج، قصور

بیاضِ دل سے

بلاشبہ شاعری مجھے وراثت میں ملی ہے۔ میرے والد مرحوم مغفور (عمر بخش) نوحہ اور مرثیہ کے شاعر تھے۔ گویا میں نے شعر اور شاعری کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا میرا ذوق وشوق پختہ ہوتا چلا گیا۔ میں نے آٹھویں جماعت میں ۱۹۸۲ء میں فاضلکا اسلامیہ ہائی سکول پاک پتن میں داخلہ لیا تو ہمارے اس سکول میں ادبی سرگرمیاں اس دور میں عروج پر تھیں۔ ہمارے اُردو کے اُستاد جناب شریف ساجد صاحب تھے۔ آپ صرف اُستاد ہی نہیں تھے بل کہ اُردو شاعری کا ایک حوالہ تھے۔ ان کا اندازِ تعلیم تعلم انتہائی شاعرانہ تھا جس سے میرے ادبی ذوق کو بے پناہ جلا ملی۔

جب میں میٹرک تک پہنچا تو اُس وقت تک میں تھوڑے بہت قافیے ملانے لگ گیا تھا۔ ان دنوں حضور بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا عرس تھا تو کسی حوالہ سے حضرت پرنم الٰہ آبادی ہمارے ہاں ٹھہرے۔ ان دنوں آپ کی لکھی گئی قوالی ''بھر دو جھولی میری یا محمدؐ'' کا ملک کے طول وارض میں بہت شہرہ تھا۔ بنا بریں مجھے اُن کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً ہفتہ دس دن اُن کی قربت نصیب رہی۔ لہٰذا میں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اُن کو اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار دکھائے اور اُن سے ابتدائی اصلاح لی۔

۱۹۹۱ء میں حلقہ اربابِ فرید پاک پتن ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی جس کے پہلے صدر قادر الکلام شاعر جناب منیب برہانی تھے اور پہلے جنرل سیکرٹری تنویر عباس نقوی تھے۔ مجھے اس تنظیم کا پہلا فنانس سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ کتاب ہذا میں اس دور سے اب تک کا کلام شامل ہے۔

لہٰذا مجھے اس پلیٹ فارم پر قطب الدین چشتی، طالب شاکر، حاجی شفیق خاکی، محترمہ یاسمین برکت، رانا اورنگ عالم گیر، رانا ریاض احمد گوہر اویسی، ڈاکٹر اظہر کمال، ایوب اختر اور ظفر رشید یاسر کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔

رانا ریاض احمد گوہر اویسی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ اُن کی ادبی تنظیم افکارِ نو میں مجھے رانا اورنگ زیب عالم گیر لے کر گئے تھے جہاں ظہور حسین ظہور، خادم چشتی، رانا طاہر رؤف آسی،

وزیرعلی عاجز اور رفیق ہمایوں جیسے احباب سے ملنے کا موقع ملا۔

۱۹۹۲ء میں، میں نے انعم ٹیکسٹائل لاہور میں پرائیویٹ ملازم اختیار کرلی۔ یہاں پر میرے رفیق کار جناب سیف اللہ زاہد تھے جو کہ خود بھی شاعر ہیں اور آپ حضرت اسیر عابد (مرحوم گوجرانوالہ) کے بھتیجے ہیں۔اس طرح مجھے حضرت اسیر عابد کی شفقت بھی حاصل ہوگئی۔ میں سیف اللہ زاہد کے ہاتھوں اپنا کلام حضرت اسیر عابد کو بھیجتا اور بعد اصلاح وہ کلام میرے پاس واپس آجاتا۔

ایک موقع پر حضرت اسیر عابد نے سیف اللہ زاہد کے ذریعے مجھے پیغام بھجوایا کہ تائب سے کہنا کہ شاعری نہ چھوڑے، کسی نہ کسی دن شاعر بن جائے گا۔اس مردِ درویش کی اس بات نے مجھے بے انتہا حوصلہ بخشا اور میں نے شعروسخن کے سفر کو جاری وساری رکھا۔

اُنھی دنوں مرحوم تنویر عباس نقوی جو حلقہ اربابِ فرید کے پہلے جنرل سیکرٹری تھے لاہور شفٹ ہوگئے۔ وہ بطور صحافی روزنامہ خبریں سے منسلک تھے چونکہ ہم دونوں لاہور میں تھے تو میں نے تنویر عباس نقوی کے ساتھ پاک ٹی ہاؤس جانا شروع کردیا۔ یہاں پر حلقہ اربابِ ذوق کے اجلاسوں میں شرکت کا موقع میسر آیا اور اس طرح ان اجلاسوں میں ڈاکٹر اختر شمار، پروفیسر ڈاکٹر تیمور حسن تیمور، نثار اکبرآبادی، فرحت عباس شاہ جیسی یگانہ روزگار شخصیات کی شاعری سننے کا موقع ملا اور انھی دنوں تنویر عباس نقوی روزنامہ خبریں کے زیرِ اہتمام شام کا ایک پرچہ ''سرِ شام'' نکالتے تھے لہٰذا انھوں نے اُس میں روزانہ میرا قطعہ شایع کرنا شروع کردیا۔اس طرح انھوں نے میری ادبی حوصلہ افزائی کا سلسلہ استوار کردیا۔

دسمبر ۲۰۱۲ء میں پاک پتن میں نئی ادبی تنظیم ''ادب قبیلہ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تنظیم تشنگانِ شعروسخن کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم ثابت ہوئی کیوں کہ اس تنظیم کو پروفیسر نوید عاجز جیسے نکتہ داں، پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر پروفیسر رحمت علی شاد جیسے نقاد اور کہنہ مشق اُستاد اور شاعر جناب شریف ساجد کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے اور پروفیسر نوید عاجز کی کوششوں سے متعدد شعرا کی کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور بلاشبہ میری کتاب ''صبحِ قفس'' بھی ''ادب قبیلہ'' اور پروفیسر نوید عاجز کی ہی رہینِ منت ہے۔

۱۹۸۳ء سے لے کر ۲۰۲۰ء تک جن محسنین سے میں نے اصلاح لی اُن کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ استادِ محترم جناب خواجہ غلام قطب الدین فریدی کا شکر گزار ہوں۔ اُن کے علاوہ جناب شریف ساجد، حضرت پرنم الٰہ آبادی (مرحوم) اور حضرت اسیر عابد (مرحوم) سے مجھے فیض پہنچا جس کے لیے میں جملہ احباب کے لیے تاحیات دعا گو رہوں گا۔

اپنے ذوقِ شاعری کے پیشِ نظر میر و غالب کے بعد مجھے بہادر شاہ ظفر، جگر مراد آبادی، ساغر صدیقی، احمد فراز، پرنم الٰہ آبادی، خواجہ غلام قطب الدین فریدی، محمود غزنی، پروفیسر تیمور حسن تیمور، فرتاش سید، رانا سعید دوشی، اکرم ناصر، شریف ساجد اور یونس فریدی کی شاعری اور اندازِ سخن بہت پسند ہے۔

میرے شعری سفر میں ادب قبیلہ کے جملہ احباب حوصلہ افزائی کا باعث بنے، ان سب کا شکر گزار ہوں، خاص طور پر موج دین فریدی، سید امبر بخاری، پروفیسر نوید عاجز، جمشید کمبوہ، اظہر کمال، مسعود میاں اور علی بخاری مرحوم (جو ۱۵ دسمبر ۲۰۲۰ کو داغِ مفارقت دے گئے) کے نام نمایاں ہیں۔ پروفیسر زاہد شہزاد اور میری پیاری بہن صبا ناز بھی شکریے کے مستحق ہیں۔ کتاب کی طباعت اور مسودے کی پروف خوانی تک کے جملہ مراحل میں پروفیسر نوید عاجز کی تحریک، حوصلہ افزائی اور علمی معاونت قدم قدم پر میرے شاملِ حال رہی۔ اُن کی یہ معاونت لائقِ تحسین ہے۔

ہر چند میں نے اپنے ظاہری اور باطنی احوال بیان کر دیے ہیں لیکن پھر بھی مجھے یہ احساس ہے کہ

اجمال سے اشکوں نے بیاں کر تو دیا پر
کامل یہ مرے حال کی تصویر نہیں ہے

نیاز مند

تائبؔ نظامی

پاک پتن شریف

حمد باری تعالیٰ

عظیم ذات ہے اُس کی بزرگ و برتر ہے
نہ کوئی ثانی ہی اُس کا نہ کوئی ہمسر ہے

جو بحر اُس کا ہے سارا تو اُس کا ہی بر ہے
جو خشک اُس کا ہے سارا تو اُس کا ہی تر ہے

وہی تو ہے جو ہے ذات و صفات میں یکتا
ہر ایک رنگ میں بے مثل وہ سراسر ہے

ہیں دو جہاں پہ عطائیں تمام تر اُس کی
وہ بے عدیل سخی ، بے مثال داور ہے

یہ اور بات کہ ہے لا مکاں مکاں اُس کا
مگر جو ہے دلِ مومن وہ اس کا ہی گھر ہے

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جمال اُن کا جہاں کے جمال سے اعلیٰ
کمال اُن کا جہاں کے کمال سے اعلیٰ

مرے حضور کی کوئی مثال کیا دے گا
کہ یہ وہ ذات ہے جو ہے مثال سے اعلیٰ

درودِ پاک کو میں نے بنا لیا ہے ڈھال
ہے کوئی ڈھال بھلا میری ڈھال سے اعلیٰ

نماز کون پڑھے گا حسین سے افضل
اذان کون پڑھے گا بلال سے اعلیٰ

کہ میں نے عشقِ محمد کی اوڑھ لی ہے شال
دکھائے شال کوئی میری شال سے اعلیٰ

خدائے ارض و سما جس پہ خود درود پڑھے
تو کون ہو گا پھر اُس خوش خصال سے اعلیٰ

وہ ایک لمحہ جو گزرا کبھی مدینے میں
وہ ہے بہشت کے ہر ماہ و سال سے اعلیٰ

وہ خوش نصیب ! مدینے کی خاک جس کو ملی
کہ خاکِ شہرِ مدینہ ہے لعل سے اعلیٰ

میں وصف گلشنِ احمد کے کیا بیان کروں
ہر ایک ڈال ہے ہر ایک ڈال سے اعلیٰ

مرے حضور کی فرقت میں جو بھی اشک بہے
ہیں دو جہان کے مال و منال سے اعلیٰ

جہان بھر میں ہے تائبؔ فقط اُنھی کا در
عطا ہے جس کی ہمیشہ سوال سے اعلیٰ

منقبت درِ شانِ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ

مخزنِ صدق و صفا مولا علیؓ
پیکرِ شرم و حیا مولا علیؓ

منبعِ جود و سخا مولا علیؓ
مرکزِ مہر و وفا مولا علیؓ

بے نواؤں کی نوا مولا علیؓ
بے رداؤں کی ردا مولا علیؓ

میری ہر تسکین کا باعث ہیں وہ
میرے ہر دُکھ کی دوا مولا علیؓ

میرے سر پہ سایۂ حسنین ہے
میں ترے در کا گدا، مولا علیؓ

مجھ سے تائبؔ مشکلیں رہتی ہیں دور
میرے ہیں مشکل کشا مولا علیؓ

خیر النساء فاطمۃ الزہراؓ کے حضور!

شرم و حیا کا اوج ہیں ، پیکر رضا کی ہیں
زوجہ علی کی، بیٹی رسولِ خدا کی ہیں
معیار بے نظیر ہے اُن کے حجاب کا
عورت کا ہیں وقار تو زینت حیا کی ہیں

اہلِ بیت اطہارؓ کے حضور

دیں کو ملی جِلا ہے درِ اہلِ بیت سے
زندہ ہوئی وفا ہے درِ اہلِ بیت سے

قسمت کا در کھلا ہے درِ اہلِ بیت سے
سب کچھ مجھے ملا ہے درِ اہلِ بیت سے

مشکل میں جب گیا ہوں درِ اہل بیت پر
مشکل ہوئی کشا ہے درِ اہلِ بیت سے

ہر غم کا ہے علاج درِ اہلِ بیت ہی
ملتی ہر اک شفا ہے درِ اہلِ بیت سے

ہر چیز مل گئی ہے درِ اہلِ بیت سے
ہر کام ہو گیا ہے درِ اہلِ بیت سے

کرتا نہیں سوال کسی اور در پہ یہ
تائب تو مانگتا ہے درِ اہلِ بیت سے

منقبت درِ شانِ مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ

عالم عرفان کے ماتھے کا جھومر آپ ہیں
اس جہاں میں بحر وحدت کے شناور آپ ہیں

ناز جن پہ ہر زماں کرتی ہے بندہ پروری
خواجۂ ہجویر ایسے بندہ پرور آپ ہیں

مخزنِ اسرارِ حق ہیں اور سّرِ عارفاں
اولیا و اصفیا کے گویا رہبر آپ ہیں

بادشاہی ہر دو عالم میں برابر جن کی ہے
ایسے دارا آپ ہیں ، ایسے سکندر آپ ہیں

جن کے لطف و فیض کا تائبؔ نہیں حد و حساب
ایسے بحر بے کراں ایسے سمندر آپ ہیں

منقبت در مدح فریدالدین مسعود گنجِ شکرؒ

محشر کا کوئی خوف نہ دوزخ ہی کا ڈر ہے
جب پیر مرا گنجِ شکرؒ ، گنجِ شکرؒ ہے

دکھ درد کے ماروں کے مسیحا میرے بابا
دکھ درد کے ماروں کا سہارا ترا در ہے

ہو جائے کرم اُن کا الگ بات ہے ورنہ
دیدار کے قابل ہی کہاں میری نظر ہے

واللہ اسی در سے تو پلتا ہے زمانہ
یہ چشت کے سرتاج سخی پاک کا گھر ہے

تائبؔ کو ضرورت ہی نہیں تاجوروں کی
سرکار مری آپ کے ٹکڑوں پہ بسر ہے

منقبت در مدح

پیرومرشد خواجہ محمد شریف چشتی، نظامی، قادری، قلندری

(دربارِ عالیہ شمس آباد پاک پتن شریف)

جو تمھارے غم کا پیکر ہو گیا
مطمئن واللہ یکسر ہو گیا

آپ کی جس کو غلامی مل گئی
وہ مقدر کا سکندر ہو گیا

وہ بھی میرے سر تا سر ہی ہو گئے
جب سے میں اُن کا سراسر ہو گیا

جب سے اُن کے پاؤں پہ رکھا ہے سر
فخر سے اونچا مرا سر ہو گیا

آپ کی ہے دید حجِ اکبری
میرا کعبہ آپ کا در ہو گیا

بحضور استادِ محترم خواجہ غلام قطب الدین فریدی

(سجادہ نشین دربارِ عالیہ گڑھی شریف)

فریدالدینؒ کی حاصل جسے محبت ہے
اُسی فقیر یگانہ سے مجھ کو نسبت ہے

نہیں ہے آپ کو رغبت کوئی بھی دنیا سے
خوشا! کہ آپ کو شعر و سخن سے رغبت ہے

عطا کیا ہے مجھے آپ نے وہ ذوقِ سلیم
مرے خیال میں اب بے پناہ وسعت ہے

ہوئی ہے فکر بہت نعت میں رواں میری
قسم خدا کی یہ اُن کا ہی فیضِ نسبت ہے

رہِ سخن پہ جو میں ہوں چلا تو میرے حضور
قدم قدم پہ مجھے آپ کی ضرورت ہے

مجھے یہ فخر ہے تائبؔ ہوں آپ کا تلمیذ
میں خوش نصیب ہوں میرے لیے سعادت ہے

غزلیات

ستم یہ مجھ پہ زمانے نے بار بار کیا
اسی نے لوٹ لیا جس پہ اعتبار کیا

تمام عمر نبھانے کا توڑ کر پیماں
لباسِ ہستی مرا اس نے تار تار کیا

جو آنے والا نہ آیا تو یوں ہوا تائبؔ
تمام عمر اسی کا ہی انتظار کیا

غزل

اس قدر نقصان ہوتے جا رہے ہیں
ہم تہی دامان ہوتے جا رہے ہیں

یوں خطا اوسان ہوتے جا رہے ہیں
لوگ سب حیران ہوتے جا رہے ہیں

زندگی بے کیف ہوتی جا رہی ہے
درد بے درمان ہوتے جا رہے ہیں

تیرے جانے سے لگا کچھ یوں کہ ہم
بے سر و سامان ہوتے جا رہے ہیں

درد کی دولت اکٹھی کر رہے ہیں
ہم بھی تو سلطان ہوتے جا رہے ہیں

کچھ نشانے پر ہیں اب صیاد کے
کچھ پسِ زندان ہوتے جا رہے ہیں

جزبۂ احساس مرتا جا رہا ہے
شہر قبرستان ہوتے جا رہے ہیں

جو تھے میری جان تائبؔ جی کبھی
اب وہ بارِ جان ہوتے جا رہے ہیں

غزل

میں جو سوئے عیش رواں ہوا، یہ زیاں ہوا
مجھے کیوں نہ اس کا گماں ہوا، یہ زیاں ہوا

میرے دل میں کوئی مقیم تھا یہی سود تھا
یہ جو خالی دل کا مکاں ہوا، یہ زیاں ہوا

تری بے رُخی کا جو بار تھا کوئی کم نہ تھا
یہی بار بارِ گراں ہوا، یہ زیاں ہوا

مجھے شوقِ دیدِ حرم نہیں یہ ستم نہیں؟
مجھے شوقِ کوئے بتاں ہوا، یہ زیاں ہوا

میری کلفتیں جو نہاں رہیں یہ تو ٹھیک تھا
مرا درد ہے جو عیاں ہوا، یہ زیاں ہوا

وہ تو مہربانی سے کہہ رہے تھے بیاں کرو
جو نہ حال مجھ سے بیاں ہوا، یہ زیاں ہوا

غزل

بے سبب تو نہیں شجر رویا
زرد پتوں کو دیکھ کر رویا

رات پھر یاد مجھ کو ماں آئی
رات مَیں پھر ہوں رات بھر رویا

جیسے روئی تو ساتھ ساتھ مرے
ایسے کوئی نہ چشمِ تر رویا

زخم شاید تھا اس قدر کاری
دیکھ کر جس کو چارہ گر رویا

جب گھڑی آئی اُس کے جانے کی
میرے شانے پر رکھ کے سر رویا

دشت رویا جنون پر میرے
آبلے دیکھ کر سفر رویا

تیری حالت یہ کیا ہوئی تائبؔ
جس نے دیکھا وہ سر بہ سر رویا

غزل

انداز مرا حسنِ بیاں تک نہیں پہنچا
جو رنگِ سخن خوب ہو واں تک نہیں پہنچا

پہنچے ہیں بہت لوگ ستاروں سے پرے بھی
کوئی بھی مرے دردِ نہاں تک نہیں پہنچا

مفلس یہ خبر سن کے ہی بس ڈوب گیا ہے
سیلاب ابھی اُس کے مکاں تک نہیں پہنچا

اعزاز ہے یہ حضرتِ شبیرؓ کو حاصل
سر ایسے کوئی نوکِ سناں تک نہیں پہنچا

جو زخم دیے تو نے مرے دل میں نہاں ہیں
یہ ذکر کبھی میری زباں تک نہیں پہنچا

فیضان ہے مجھ پر یہ مرے گنجِ شکرؒ کا
غم کوئی مرے دل، مری جاں تک نہیں پہنچا

محسوس میں کرتا ہوں محبت میں گرانی
یہ بار ابھی بارِ گراں تک نہیں پہنچا

سمجھا نہ کسی نے بھی مرے درد کو تائبؔ
کوئی بھی مری آہ و فغاں تک نہیں پہنچا

غزل

زخم اپنے دکھا نہیں سکتا
یہ تماشا لگا نہیں سکتا

ہوں سخی پھر بھی درد کی دولت
میرے یارو! لٹا نہیں سکتا

میرے اندر جو اب کے دہکا ہے
یہ الاؤ بجھا نہیں سکتا

رنج ہر اک اٹھا میں سکتا ہوں
پر میں ذلّت اُٹھا نہیں سکتا

رو تو سکتا ہوں عمر بھر تائبؔ
میں کسی کو رُلا نہیں سکتا

غزل

بھولتا ہی نہیں وہ خواب مجھے
وہ ملا جس میں بے نقاب مجھے

کرچیاں اتنی ہو گئیں دل کی
رکھنا مشکل ہے یہ حساب مجھے

میرا دشمن نصیب ہے میرا
ہونے دے گا نہ کامیاب مجھے

اشک بہتے ہیں، تارے گنتا ہوں
دے گیا ہجر کا نصاب مجھے

جو گزرتے ہیں تیرے بن تائب
لمحے لگتے ہیں وہ عذاب مجھے

غزل

گزرا ہے جو قریب سے منہ آج موڑ کر
کہتا تھا کہ نبھاؤں گا میں سب کو چھوڑ کر

کرتا تھا تنگ روز یہ سودائے سر مجھے
ہاں مل گیا سکون مجھے سر کو پھوڑ کر

کیا مل گیا جناب کو ہے بھول کر مجھے
کیا مل گیا حضور مرے دل کو توڑ کر

رونے سے کب رہائی ملی مجھ کو دوستو!
فارغ ابھی ہوا ہوں میں دامن نچوڑ کر

تائب جی کیوں نہ ہوتیں سبھی رنجشیں تمام
وہ ساتھ بیٹھ جاتا اگر سر ہی جوڑ کر

غزل

گزرتا ہے تو یہ گزرے بہار کا موسم
رہے مدام الٰہی یہ پیار کا موسم

کہاں گئی ہے وہ رُت تیری دید کی جاناں
جو دے گئی ہے مجھے انتظار کا موسم

ٹھہر گیا ہے غم و رنج میرے آنگن میں
کہاں گیا ہے سکون و قرار کا موسم

عجیب بات ہے یارو کہ اس بڑھاپے میں
ہے یاد آنے لگا کوئے یار کا موسم

میں دل کے زخم دکھاؤں تو کس طرح تائبؔ
بتاؤں کیسے دلِ داغ دار کا موسم

غزل

جھکے گا غیر کے در پر تو مار ڈالے گا
مجھے پھر ایسے مرا سر تو مار ڈالے گا

میں ہوں فقیر میں رکھتا ہوں خیر ساتھ اپنے
رہے گا ساتھ مرے شر تو مار ڈالے گا

زلیخا یوسفِ کنعان سے یہ کہنے لگی
تمھارا حسنِ ستم گر تو مار ڈالے گا

مجھے وہ کافی ہے جو کہ مرا مقدر ہے
کسی کا چھینا مقدر تو مار ڈالے گا

ڈرائیے نہ ہمیں حشر کے عذابوں سے
کہ جیتے جی یہ ہمیں ڈر تو مار ڈالے گا

نہیں میں طالبِ دنیا ہوں طالبِ مولا
قسم خدا کی مجھے زر تو مار ڈالے گا

تمھارے اشک نہ تائبؔ تھمے تو دنیا کو
یہ آنسوؤں کا سمندر تو مار ڈالے گا

غزل

وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں جہاں پر یار ہوتے ہیں
جہاں پہ پھول ہوتے ہیں ، وہیں پر خار ہوتے ہیں

پتہ اُن کا اگر چاہو مرے ہر زخم سے پوچھو
جدھر سے تیر آتا ہے وہیں سرکار ہوتے ہیں

مقدر میں جو سختی ہو تو ایسا ہو ہی جاتا ہے
وہی گھر لوٹ لیتے ہیں جو پہریدار ہوتے ہیں

میں افشا راز کر سکتا ہوں تیری بزم کے ظالم
کہ میں سب جانتا ہوں جو بھی کاروبار ہوتے ہیں

جہاں والوں کے دل میں ہم نے تائبؔ جی یہ دیکھا ہے
انھیں کی یاد ہوتی ہے جو باکردار ہوتے ہیں

غزل

جو مہرباں تھے مرے اب وہ مہرباں نہ رہے
خفا کسی سے کبھی ایسے آسماں نہ رہے

جو وقت بدلا تو پھر لوگ بھی بدلنے لگے
جو راز داں تھے کبھی پھر وہ رازداں نہ رہے

ہر ایک شخص گیا ہٹ مقام سے اپنے
نہ پیر پیر رہے وہ جواں جواں نہ رہے

ستم ظریف نے کہہ کر یہ آگ لگوائی
کسی بھی طور مرا باقی آشیاں نہ رہے

وہ خوش نصیب ہے خوش بخت جس کا تائب جی
زمانہ لاکھ رہے یار بدگماں نہ رہے

غزل

جو اُجلا تن نہیں تو کیا میں اُجلا من تو رکھتا ہوں
میں تشنہ لب ہوں آنکھوں میں مگر ساون تو رکھتا ہوں

اگرچہ تیرگی ہی تیرگی ہے چار سُو میرے
میں ایسی تیرگی میں بھی دلِ روشن تو رکھتا ہوں

مرے دامن میں رنج وغم کی ہے اشکوں کی دولت ہے
مجھے مت جانیے مفلس کہ ایسا دھن تو رکھتا ہوں

میں بستا شہر میں ہوں پھر بھی صحرا سے مجھے نسبت
نہیں میں قیس تو کیا ہے میں پاگل پن تو رکھتا ہوں

میں اُن کو دل میں رکھتا ہوں جو تائبؔ دور رہتے ہیں
اگرچہ بے ہنر ہوں پھر بھی اتنا فن تو رکھتا ہوں

غزل

دولت و مال و زر کا کیا کرنا
ہم فقیروں نے گھر کا کیا کرنا

عمر کی قید جس پرندے کو
اُس نے پھر بال و پر کا کیا کرنا

ہم کو تم بے خبر ہی رہنے دو
ہم نے پا کر خبر کا کیا کرنا

جب مرض لا دوا ہی ہو جائے
پھر کسی چارہ گر کا کیا کرنا

جو درِ یار پہ نہ جھکتے ہوں
اُس جبیں اور سر کا کیا کرنا

جس سے تائبؔ نہ فیض حاصل ہو
ایسی چوکھٹ کا، در کا، کیا کرنا

غزل

کوئی طبیب ہی ایسا نہ چارہ گر کوئی
کرے ہمارا مداوائے چشمِ تر کوئی

مرے وجود سے اُٹھنے لگی ہیں خوشبوئیں
کہ ایسے مجھ میں سمایا ہے عشوہ گر کوئی

میں اُس کو حالِ دلِ زار کیسے بتلاتا
مجھے ہوا نہ میسر پیام بر کوئی

مرے حضور یہ زندہ دلوں کی بستی ہے
نہ بے ضمیر یہاں پر نہ کم نظر کوئی

امیر شہر! یہ حالت تری رعایا کی
ہے پا برہنہ کوئی اور برہنہ سر کوئی

خدا کے واسطے ناصح ہمیں اجازت دے
کہ انتظار میں اپنے ہے بام پر کوئی

ہے میرے حال سے دنیا تو باخبر تائبؔ
ہے میرے حال سے کیوں اتنا بے خبر کوئی

غزل

میں تری موجودگی سے بے خبر
ڈھونڈتا پھرتا ہوں تجھ کو در بہ در

اُڑ کے تیری سمت آنا ہے مجھے
کیا کروں ! مجبور ہوں ، بے بال و پر

ہر گھڑی جب بھوک دامن گیر ہے
کیسے ایسے زندگی کرتا بسر

جاں بہ لب ہوں چارہ سازی کیجیے
کب سے ہوں بیمار میرے چارہ گر

میری تائبؔ بس یہی پہچان ہے
میں غلامِ در گہِ گنجِ شکرؒ

غزل

ہو ملاقات جو اپنوں سے یا اغیار کے ساتھ
کتنا اچھا ہو اگر سب سے ملیں پیار کے ساتھ

تو نے منصور بڑی دار کو عزت بخشی
ذکر ہوتا ہے تو ہوتا ہے ترا دار کے ساتھ

میں تو بس دُور ہی رہتا ہوں ہمیشہ ان سے
میری بنتی جو نہیں زر سے نہ زردار کے ساتھ

آسرا حشر میں آقا کی شفاعت ہو گی
کون واں ہو گا بھلا مجھ سے خطاکار کے ساتھ

مجھ کو منظور فقط تیری رفاقت جو ملے
نہ رہے کوئی تعلق مرا سنسار کے ساتھ

ساتھ تیرے بھی وہی ہو گا یقیناً تائبؔ
جو کہ ہوتا ہے یہاں ایک وفادار کے ساتھ

غزل

وہ غیر سمجھے مجھے غیر ہی شمار کرے
میں اس کو چاہوں وہ میرا نہ اعتبار کرے

اگر یہ طے ہے اسے لوٹ کر نہیں آنا
تو اُس کی یاد بھی مجھ کو نہ بے قرار کرے

تباہ کر دیا چاہت کو رازداروں نے
تو کیا کسی کو یہاں کوئی رازدار کرے

اگر وہ کہتا ہے مجھ سے کہ لاتعلق ہے
تو پھر وہ ذکر بھی میرا نہ بار بار کرے

کوئی تو ہو جو یہ تائبؔ کو بات سمجھا دے
ہمیں بھلا دے ہمارا نہ انتظار کرے

غزل

بھولنا تیرا نام مشکل ہے
درحقیقت یہ کام مشکل ہے

چلنا تجھ بن اے مہرباں میرے
زندگی کا نظام مشکل ہے

خواہشوں کو لگام دو یارو!
گرچہ دینا لگام مشکل ہے

اب نکلنا تمھاری صورت کا
دل سے ماہِ تمام مشکل ہے

کیا کہوں تیرے شہر میں اب تو
صبح مشکل ہے، شام مشکل ہے

ناتوانی سی ناتوانی ہے
چلنا ایک ایک گام مشکل ہے

راحتیں چھوڑ جائیں گی تائبؔ
راحتوں کو دوام مشکل ہے

غزل

ہم سے درویش کوئی مال نہ زر رکھتے ہیں
کوئی دیوار نہ در اور نہ گھر رکھتے ہیں

یہ بھی سچ ہے کہ نہ ہم بال، نہ پر رکھتے ہیں
جاری ہم پھر بھی وفاؤں کا سفر رکھتے ہیں

رکھتے بے تاب ہیں دل، آنکھ کو تر رکھتے ہیں
مرے حالات مجھے زیر و زبر رکھتے ہیں

چاکِ دامان لیے خاک بسر رہتے ہیں
تیرے دیوانے کہاں اپنی خبر رکھتے ہیں

اُن کے تُو میرے خدا! خیر سے سینے بھر دے
میرے احباب کہ جو سینوں میں شر رکھتے ہیں

روٹھنے والے بھلا بیٹھے ہیں تائبؔ ہم کو
روٹھنے والوں کو ہم یاد مگر رکھتے ہیں

غزل

آج کل دل جلوں میں رہتا ہوں
اپنے ہی دوستوں میں رہتا ہوں

لذتِ انتظار مجھ سے پوچھ
میں ترے راستوں میں رہتا ہوں

ساتھ رہتی ہے میرے تنہائی
گو کہ میں جمگھٹوں میں رہتا ہوں

کیا یہ کم میری تم سے نسبت ہے
میں تری نفرتوں میں رہتا ہوں

شہر کے شور سے ہوں تنگ آیا
جا کے پھر جنگلوں میں رہتا ہوں

میرا تائبؔ مزاج موزوں ہے
میں بڑے شاعروں میں رہتا ہوں

غزل

جس شخص کے لہجے میں ہی تاثیر نہیں ہے
کر سکتا کسی دل کو وہ تسخیر نہیں ہے

کیوں آس مری ایک بھی پوری نہیں ہوتی
کیوں میرے کسی خواب کی تعبیر نہیں ہے

اجمال سے اشکوں نے بیاں کر تو دیا ہے
کامل یہ مرے حال کی تصویر نہیں ہے

اب جاؤ مسیحا کو مرے ڈھونڈ کے لاؤ
اب اور مرے بچنے کی تدبیر نہیں ہے

جکڑا ہے زمانے کی رسومات نے ہم کو
ٹوٹے گی کبھی ایسی یہ زنجیر نہیں ہے

دکھ درد ہیں تائبؔ مرا سرمایۂ ہستی
ان جیسی کوئی دوسری جاگیر نہیں ہے

غزل

مزاجِ وقت دیکھو وقت کی رفتار تو دیکھو
لکھا ہے کیا سرِ دیوار تم دیوار تو دیکھو

مقدر میں یہی لکھا تھا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن
سبب کچھ اور بھی ہو گا تم اپنی ہار تو دیکھو

اے حاکم تجھ پہ لازم ہے نگہ بانی رعایا کی
کہ اس کی مفلسی اور اس کا حالِ زار تو دیکھو

نہیں تیار خلقت کیوں تمھاری بات سننے کو
خدا کے واسطے اس خلق کا انکار تو دیکھو

اگر وہ باوفا ہوتا ، کبھی ایسا نہیں کرتا
صفِ دشمن میں جا بیٹھا ہے میرا یار تو دیکھو

خدا کا شکر کرتا ہے ادا دردِ محبت پر
ہُوا ہے محوِ سجدہ عشق کا بیمار تو دیکھو

تمھارا نام جپتا ہے فقط تائبؔ تمھارا ہے
تم اس کی چاہ تو دیکھو، تم اس کا پیار تو دیکھو

غزل

بے قراروں سے پیار کرتا ہوں
غم کے ماروں سے پیار کرتا ہوں

تخت والوں سے کیا مجھے نسبت
خاکساروں سے پیار کرتا ہوں

بانٹ لیتا ہوں درد یاروں کے
اپنے یاروں سے پیار کرتا ہوں

جھیل کر نفرتیں ہزاروں کی
میں ہزاروں سے پیار کرتا ہوں

سارے کب مجھ سے پیار کرتے ہیں
میں تو ساروں سے پیار کرتا ہوں

میرا تائبؔ یہی سہارا ہیں
بے سہاروں سے پیار کرتا ہوں

غزل

تیرے دیدار کے ہر آن مزے پاتا ہوں
دیکھنے تجھ کو تصور میں چلا جاتا ہوں

آ ہی جائے گا کبھی تجھ کو دلاسا دینے
قلبِ مضطر کو بہر طور یہ سمجھاتا ہوں

نہ بنا پائیں فسانے یہ زمانے والے
سو ترے ساتھ ملاقات سے گھبراتا ہوں

ہے خبر تم کو مجھے چھوڑ کے جانے والے
کن بہانوں سے دلِ زار کو بہلاتا ہوں

گو اکیلا ہوں بھرے شہر میں تائبؔ لیکن
اپنی تنہائی کسی یاد سے مہکاتا ہوں

غزل

دکھ درد کے مارے ہوئے انسان کی صورت
بیٹھا ہوں درِ یار پہ دربان کی صورت

افسوس کہ اس بات کو ہم بھول چکے ہیں
کس دنیا میں ہم آئے ہیں مہمان کی صورت

مجھ پر جو تری ایک عنایت کی نظرِ ہو
بن جائے گی یہ درد کے درمان کی صورت

صورت کی تری روز میں کرتا ہوں تلاوت
صورت ہے تری آیتِ قرآن کی صورت

صورت وہ نظر آئے تو چمکے یہ مقدر
ہو تشنہ نگاہوں کے بھی درمان کی صورت

کیوں شہر مجھے لگتا ہے ویران ہی سارا
کیوں گھر بھی مجھے لگتا ہے زندان کی صورت

ہونٹوں پہ مرے ذکر نبیؐ جاری ہے تائبؔ
صد رشک ملک ہے مرے ایمان کی صورت

غزل

یہ تیر و تیغ ہیں کیا اور کمان کیا شے ہے
تری نظر کے مقابل یہ جان کیا شے ہے

گزر رہا ہوں مسلسل جو میں عذابوں سے
مجھے بتاؤ کہ پھر امتحان کیا شے ہے

ہزار جان سے تجھ پر نثار میں جاناں
تری خوشی کے لیے ایک جان کیا شے ہے

کسی بھی طور سے آباد یہ نہیں ہوتا
الٰہی! میرے یہ دل کا جہان کیا شے ہے

ہر ایک درد کا مارا قرار پاتا ہے
قسم خدا کی ترا آستان کیا شے ہے

غزل

جو کام مجھے کرنے ہیں کرنے نہیں دیتے
حالات مجھے غم سے نکلنے نہیں دیتے

سچ ہے کہ وہی لوگ مرے دشمنِ جاں ہیں
جو لوگ مجھے جاں سے گزرنے نہیں دیتے

کم ظرف ہیں وہ جام چھلک جاتے ہیں جن سے
ہم اپنا بھرا دل بھی چھلکنے نہیں دیتے

تحسین مری اُن کو ، دعائیں مری لاکھوں
جو خود کو کسی دل سے اُترنے نہیں دیتے

لگتا ہے مرے اپنے مقدر ہیں یہ تائبؔ
بگڑی جو کسی بات کو بننے نہیں دیتے

غزل

ہاتھ ہاتھوں میں دلربا دے دو
ایک بیمار کو شفا دے دو

لڑکھڑا کر میں گرنے والا ہوں
اپنی بانہوں کا آسرا دے دو

منصفو! میرا جرم الفت ہے
جو بھی چاہو مجھے سزا دے دو

پھر نہ باہم رہے گی کچھ تلخی
تم جو اپنی مجھے انا دے دو

پھر نہ روئے گا عمر بھر تائبؔ
تم جو تھوڑا سا حوصلہ دے دو

غزل

بے رُخی اس قدر بھی ٹھیک نہیں
تیری برہم نظر بھی ٹھیک نہیں

جو ڈگر دور پیار سے کر دے
جانِ من وہ ڈگر بھی ٹھیک نہیں

آپ رہتے ہیں بے خبر ہم سے
رہنا یوں بے خبر بھی ٹھیک نہیں

ایک ہی در سے ٹھیک ہے نسبت
پھرنا یوں در بہ در بھی ٹھیک نہیں

دلِ ناداں تو ضبط بھی کر لے
ہر گھڑی چشمِ تر بھی ٹھیک نہیں

جو سفر کی نہ تلخیاں بانٹے
وہ تو پھر ہم سفر بھی ٹھیک نہیں

تنگدستی بھی ہے بُری تائبؔ
کثرتِ مال و زر بھی ٹھیک نہیں

غزل

خیر ہی خیر سر بہ سر ہونا
کتنا مشکل ہے بے ضرر ہونا

پوچھ اُن سے جو لوگ بے گھر ہیں
کیسا ہوتا ہے اپنا گھر ہونا

زخم نے جا لیا رگِ جاں کو
کیا ہوا تیرا چارہ گر ہونا

نہ سنے نالے آسماں نے مرے
ہائے نالوں کا بے اثر ہونا

کتنی آساں ہے خوب تر کی طلب
کتنا مشکل ہے خوب تر ہونا

دے گیا عمر بھر کے پچھتاوے
سب دعاؤں کا بے ثمر ہونا

پا لیا رازِ زندگی تائبؔ
آ گیا کام در بہ در ہونا

غزل

دولتِ دردِ یار مل جائے
زندگی کو قرار مل جائے

عشق پابندِ رنگ و ذات نہیں
دل کا جس سے بھی تار مل جائے

وقتِ رخصت ہے اب خدا کے لیے
ہم سے وہ ایک بار مل جائے

اُس کا ملنا خزاں رسیدہ کو
جیسے فصلِ بہار مل جائے

دردمندوں کو رشک ہو تائبؔ
درد یوں بے شمار مل جائے

غزل

ہم سے وہ بدگماں نہ ہو جائیں
کوششیں رائیگاں نہ ہو جائیں

اپنے اشکوں کو کب تلک روکوں
خوف یہ ہے رواں نہ ہو جائیں

یاالٰہی! یہ راحتیں اتنی
باعثِ امتحاں نہ ہو جائیں

اپنی آنکھوں کو آپ سمجھائیں
دل کی باتیں عیاں نہ ہو جائیں

پاس میرے نہ بن سنور کے آ
خواہشیں پھر جواں نہ ہو جائیں

راحتوں نے چھڑا لیا دامن
غم بھی نا مہرباں نہ ہو جائیں

قربتوں میں یہ ڈر رہا تائبؔ
اُن سے پھر دوریاں نہ ہو جائیں

غزل

پہنچ نہ پائے گا منزل پہ کارواں میرا
کہ راہ بر جو ہے سردارِ رہزناں میرا

حیات و موت میں اک قدرِ مشترک ہے یہ
کہ ذکر ہوتا ہے بس ان کے درمیاں میرا

اگرچہ تیز سہی آندھیاں اناؤں کی
بچا ہوا ہے ابھی تک تو آشیاں میرا

میں اُس کے ظلم اسی خوف سے ہی سہتا ہوں
کہ ہو نہ جائے کہیں یار بدگماں میرا

اُٹھا نہ پائیں گے یہ بوجھ بے وفائی کا
نحیف جسم مرا ، قلبِ ناتواں میرا

رہی ہیں ٹوٹ جو مجھ پر قیامتیں پیہم
مرے خدا کو ہے مطلوب امتحاں میرا

اجاڑ دوں گا اُسے جو اسے اُجاڑے گا
عزیز جان سے مجھ کو ہے گلستاں میرا

کسی کے درد سے تائبؔ قرار ہستی میں
کسی کی یاد سے بستا ہے یہ جہاں میرا

غزل

وہ مرے آج مہمان ہونے لگے ہیں
کہ راحت کے سامان ہونے لگے ہیں

ہوا تیری بستی میں کیسی چلی ہے
خدا یاں تو انسان ہونے لگے ہیں

تری بے رُخی سے مرے دل میں ظالم
بپا غم کے طوفان ہونے لگے ہیں

ذرا سے مرے ہیں جو حالات بگڑے
تو اپنے بھی انجان ہونے لگے ہیں

ہماری پریشان حالی کی باتیں
وہ سن کر پریشان ہونے لگے ہیں

محبت سے کیا ہم نے دیکھا ہے تائبؔ
سبھی دشمن جان ہونے لگے ہیں

غزل

وہ غیروں سے پیمان کرنے لگا ہے
سرا سر ہی نقصان کرنے لگا ہے

تمھاری توجہ، تمھارا تبسم
مرے غم کا درمان کرنے لگا ہے

تغافل ، جفائیں ، ستم کاریاں
بہت مجھ پہ احسان کرنے لگا ہے

مقام تشکر ہے وہ اب تو مجھ پر
دل و جان قربان کرنے لگا ہے

نظر لگ نہ جائے کہ تائبؔ کی خاطر
وہ راحت کے سامان کرنے لگا ہے

غزل

نہ میرے دل پہ مرا کوئی اختیار رہا
کہ میری جان کے دشمن پہ یہ نثار رہا

وہ ہر جگہ پہ مرے نام سے ہی جانا گیا
یہ اور بات وہ اوروں کا غمگسار رہا

لیے ہیں رنج سدا ہی خلوص کے بدلے
کہ دل جلوں کا ہمیشہ یہ کاروبار رہا

تمام رات رہا ہم کلام تاروں سے
لباس جس کے مقدر کا تار تار رہا

وہ کوئی اور نہیں تھا وہ تیرا تائبؔ تھا
تمام عمر جسے تیرا انتظار رہا

غزل

گو نہ تم سے ملی وفا مجھ کو
پھر بھی تم سے نہیں گلہ مجھ کو

میں بھی تم سے کنارا کر لیتا
کرنی آتی نہیں جفا مجھ کو

زندگانی گزارنے کے لیے
مرنا پڑتا ہے بار ہا مجھ کو

اُس کو مجبوریوں نے گھیرا تھا
کہہ نہ پایا وہ برملا مجھ کو

وہ نہ دھتکارتا مجھے تائبؔ
چاہے کرتا نہ کچھ عطا مجھ کو

غزل

ضبط کو آزما رہا ہوں میں
بے وفا سے نبھا رہا ہوں میں

لوگ کہنے لگے ہیں دیوانہ
ایسے اعزاز پا رہا ہوں میں

بخدا میرے بس کی بات نہیں
جتنے صدمے اٹھا رہا ہوں میں

میرے احباب کو مبارک ہو
چھوڑ کر شہر جا رہا ہوں میں

عشق کی آگ کیوں نہیں بجھتی
کب سے تائبؔ بجھا رہا ہوں میں

غزل

وہ جو روٹھیں گے تو ہر بار منانا ہو گا
پیار کرنا ہے تو یہ بوجھ اُٹھانا ہو گا

ہے یقیں مجھ کو نہ آئیں گے شبِ وعدہ وہ
پھر نیا اُن کا کوئی اور بہانہ ہو گا

کیوں بناتے ہو محلات ذرا سوچو تو
ایک دن تم کو انھیں چھوڑ کے جانا ہو گا

ہم چلیں گے تو کوئی ساتھ نہ دے گا اپنا
وہ چلیں گے تو رفاقت کو زمانہ ہو گا

گو کہ مشکل ہے زمانے سے بچانا تائبؔ
پھر بھی دامن تو بہر طور بچانا ہو گا

غزل

کلفتیں دُور کر بھی سکتا ہے
جان سے وہ گزر بھی سکتا ہے

جانے والے نے کیوں نہیں سوچا
اس طرح کوئی مر بھی سکتا ہے

اس طرح آنکھ بھر کے مت دیکھو
کوئی الزام دھر بھی سکتا ہے

عزم جس کا چٹان جیسا ہے
اگلے لمحے بکھر بھی سکتا ہے

جی بھی سکتا ہے تیرے بِن تائبؔ
ہجر کا زخم بھر بھی سکتا ہے

غزل

حسرت ہی رہی مجھ پہ وہ احسان کرے گا
دیدار سے ہر درد کا درمان کرے گا

ہے عید کا دن آج وہ نکلے گا سنور کے
وہ عید کے دن حشر کا سامان کرے گا

بے چین مرے دل نہ رقیبوں سے ہوا کر
دشمن ہے تو ہر حال میں نقصان کرے گا

بیمارِ محبت ہے نکل جائے مطب سے
یہ اور مریضوں کو پریشان کرے گا

تائبؔ سے کبھی جان کو تو مانگ کے تو دیکھ
سو بار ترے نام پہ قربان کرے گا

غزل

اک شخص مرے دل میں سماتا چلا گیا
اور پیار کی وہ جوت جگاتا چلا گیا

تیرِ نظر وہ ایسے چلاتا چلا گیا
گزرا جدھر جدھر سے گراتا چلا گیا

میں ناسمجھ تھا پیار کے دھوکے میں آ گیا
دلِ پر سکون کو آگ لگاتا چلا گیا

ساقی کا ظلم دیکھیے کہہ کر مجھے شراب
ہر جامِ میں وہ زہر ملاتا چلا گیا

تائبؔ نے ایک روز جو یاروں کے درمیاں
چھیڑی تھی داستاں تو رُلاتا چلا گیا

غزل

تم کو جو ہمیں ملنے کی فرصت نہیں ملتی
لگتا ہے کہ اب ہم سے طبیعت نہیں ملتی

بے چین جو رہتا ہوں تو صد شکر ہے یارو!
درویش کو دنیا میں تو راحت نہیں ملتی

اور ملنا کسی کا بھی ہے دشوار ہی تب تک
جب تک کہ ضرورت سے ضرورت نہیں ملتی

تب تک نہ غمِ ہجر کا کچھ ہو گا مداوا
جب تک کہ ہمیں آپ کی قربت نہیں ملتی

تائب جی تمناؤں کو پڑتا ہے مٹانا
یوں بار گہِ عشق میں عزت نہیں ملتی

غزل

درد کو درد نہیں میں نے دوا مان لیا
زہر کو زہر نہیں میں نے شفا مان لیا

تو نے جو مجھ کو محبت میں سزائیں دی ہیں
میں نے ایک ایک سزا کو بھی جزا مان لیا

کفر اسلام میں انسان کو سجدہ کرنا
مذہبِ عشق نے اس کو بھی بجا مان لیا

ہے یہ کیا مجھ کو بتائیں گے فتاویٰ والے؟
سنتے ہیں قیس نے لیلیٰ کو خدا مان لیا

تیرے ہر درد کو سمجھا ہے عنایت تیری
تیرے ہر زخم کو تائب نے عطا مان لیا

غزل

کوئی بھی درمیاں حائل نہیں ہے
بظاہر اب کوئی مشکل نہیں ہے

مجھے لگتا ہے یاں پہ ایک پتھر
ترے سینے میں جیسے دل نہیں ہے

محبت کیا ہے بس نقصان دل کا
سوائے غم کے کچھ حاصل نہیں ہے

طبیعت کو نہ جانے کیا ہوا ہے
کہ بھاتی اب کوئی محفل نہیں ہے

مرے قاتل ہیں میرے یار تائبؔ
زمانہ تو مرا قاتل نہیں ہے

غزل

بے سہاروں کا یہاں بوجھ اُٹھانے کے لیے
کوئی تیار نہیں اپنا بنانے کے لیے

پیار ہر ایک سے کرنا ہی مری دعوت ہے
میرا پیغامِ محبت ہے زمانے کے لیے

کیا ہوا تجھ کو ترا یار اگر چھوڑ گیا
میں جو حاضر ہوں ترے ناز اُٹھانے کے لیے

میں نے جس شخص کا ہر وقت بھلا سوچا ہے
وہ ہے بے تاب مری خاک اُڑانے کے لیے

گو کہ مشکل ہے کہ تائبؔ جی سکوں حاصل ہو
ہم تو زندہ ہیں فقط رنج اُٹھانے کے لیے

غزل

وہ کم کم یاد رکھتا ہے زیادہ بھول جاتا ہے
ہمیشہ کر کے وعدہ اپنا وعدہ بھول جاتا ہے

ارادہ کر تو لیتا ہے وہ میرا ساتھ دینے کا
مگر اکثر یہ ہوتا ہے ارادہ بھول جاتا ہے

بھلا دیتے ہیں ایسے شخص کو سب خانداں والے
جو اپنی اصل ، اپنا خانوادہ بھول جاتا ہے

کشادہ گھر بنا لیتا ہے جو زردار ہوتا ہے
مگر رکھنا وہ اپنا دل کشادہ بھول جاتا ہے

اگر چالاک ہوتا یاد رکھتا تہمتیں سب کی
یقیں مانو کہ تائبؔ ہے جو سادہ بھول جاتا ہے

غزل

ہم کو آخر یہ سلیقہ آ گیا
غم کو سہنے کا قرینہ آ گیا

حسن بھی بازار میں بکنے لگا
یاالٰہی! کیا زمانہ آ گیا

داستانِ قیس جب چھیڑی گئی
یاد مجھ کو اپنا قصہ آ گیا

رحم مجھ پہ آ گیا قاتل کو جب
جان لینے کو مسیحا آ گیا

ہو گیا ہوں میں بھی اب عزلت نشیں
رہنا اب مجھ کو بھی تنہا آ گیا

حشر میں تائبؔ کی سنتا کون تھا
کام آقاؐ کا وسیلہ آ گیا

غزل

یہ ہم نے غور کرنا ہے یہ ہم نے سوچنا بھی ہے
جو ہم نے آج بونا ہے اُسے کل کاٹنا بھی ہے

فقیری کے ضوابط میں میاں اک ضابطہ ہے یہ
کہ زندہ دل کو رکھنا خواہشوں کو مارنا بھی ہے

مجھے یہ خوف بھی لاحق کہیں رسوا نہ ہو جاؤں
کہ میں نے اُس سے اُس کا ہاتھ آخر مانگنا بھی ہے

یہ چھت اپنی، در و دیوار اپنے ، گھر ہے یہ اپنا
کڑا جو وقت آئے جاں کو اس پر وارنا بھی ہے

یقیں مانو بڑی مشکل میں ہے پھر آج کل تائبؔ
وہ ظالم اب یہ کہتا ہے کہ اُس کو بھولنا بھی ہے

غزل

ہے کوئی ستم ہم پہ جو ڈھایا نہیں جاتا
اُس بزم میں اب ہم کو بلایا نہیں جاتا

جو دل میں ترے بات ہے وہ صاف ہی کہہ دے
اپنوں سے حقیقت کو چھپایا نہیں جاتا

آنکھوں سے ہی پی لو نا، کرو ختم تکلف
ہاتھوں سے اگر جام اُٹھایا نہیں جاتا

اک روز وہ محفل میں ہوئے مجھ سے مخاطب
کیوں آتے ہو جب تم کو بلایا نہیں جاتا

احسان وہ احسان ہے تائبؔ جی یہ سمجھو
کر کے جو مری جان جتایا نہیں جاتا

غزل

تری نظر میں رہوں، با وقار ہو جاؤں
قسم خدا کی میں رشکِ بہار ہو جاؤں

فدا میں جان کروں تیرے ہر اشارے پر
تری رضا پہ میں ایسے نثار ہو جاؤں

فنا مَیں ہو کے تری ذات میں، اے جانِ جاں!
میں کیوں نہ باقی رہوں پائیدار ہو جاؤں

ہے میرے پاس یہ نسخہ قرارِ دل کے لیے
کسی کو یاد کروں بے قرار ہو جاؤں

مجھے یہ خوف ہے تائبؔ کہ درد ہے جتنا
چھلک پڑوں نہ کہیں زار زار ہو جاؤں

غزل

اماں ملی نہ، ترستے رہے اماں کے لیے
تو زہر پی لیا تسکینِ جسم و جاں کے لیے

ہے میرے سر کو فقط تیرے نقشِ پا کی طلب
مری جبیں ہے ترے سنگِ آستاں کے لیے

خدا کرے کہ یہ ان آندھیوں سے بچ جائے
کہ تنکا تنکا جو رکھا ہے آشیاں کے لیے

نگاہِ بد سے بچے حسن کا وہ صدقہ دے
یہ مشورہ ہے مرا میرے مہرباں کے لیے

وہ ایک ایک مسافر نگاہ میں رکھے
بہت ضروری ہے یہ میرِ کارواں کے لیے

غم حیات کا سورج ہے سر پہ تو کیا غم
کسی کی یاد ہی کافی ہے سائباں کے لیے

چمن کو چھوڑ کے جانے لگے ہیں تائبؔ جی
قسم خدا کی یہ مژدہ ہے باغباں کے لیے

غزل

باز آتے ہی نہیں لوگ دغا کرنے سے
رُکتا کب مَیں ہوں بھلا پھر بھی وفا کرنے سے

اس طرح ہاتھ مرے آئی بقا کی دولت
ذات میں تیری مجھے خود کو فنا کرنے سے

رنج مٹ جاتے ہیں دردوں کو شفا ملتی ہے
دور ہو جاتی بلائیں ہیں دعا کرنے سے

نہ کریں میرا بھلا یار بھلا نہ سوچیں
کوئی روکے نہ مجھے اُن کا بھلا کرنے سے

میری عادت ہی نہیں شکوے شکایت کرنا
دور رہتا ہوں میں تائبؔ جی گلہ کرنے سے

غزل

میرے دل پر وہ نئے زخم لگانے آئے
جب بھی آئے ہیں وہ احسان جتانے آئے

یاد پھر مجھ کو وہ بھولی ہوئی باتیں آئیں
یاد پھر مجھ کو وہ بچپن کے زمانے آئے

پوری خواہش نہ ہوئی، دل میں یہ حسرت ہی رہی
ہم جو روٹھیں تو کوئی ہم کو منانے آئے

جانے کیوں پھر ہے طبیعت مری بوجھل بوجھل
چین کیوں پھر نہ مرے دل کو نہ جانے آئے

کیوں یہ احساس مجھے ہونے لگا ہے تائبؔ
جیسے ہم دنیا میں ہیں رنج اٹھانے آئے

غزل

بہت عجیب سا منظر دکھائی دیتا ہے
اداس تیرے سوا گھر دکھائی دیتا ہے

اُسی کی ہوتی ہے عزت تمھاری محفل میں
کہ جس کے پاس کوئی زر دکھائی دیتا ہے

جسے نصیب ہوئی تیری دوستی ظالم
وہ اپنے آپ سے باہر دکھائی دیتا ہے

کہاں گئے جو فدا تم پہ جان کرتے تھے
فقط یہاں تو مرا سر دکھائی دیتا ہے

مرے غموں کا مداوا جنابِ گنجِ شکرؒ
مجھے تو آپؒ کا ہی در دکھائی دیتا ہے

غزل

میں پا برہنہ کھڑا ہوں، ٹھٹھر رہا ہوں مَیں
کہ موسموں کے تغیر سے مر رہا ہوں مَیں

عجیب خوف ہے طاری یہاں فضاؤں پر
کہ گھر میں ہوتے ہوئے پھر بھی ڈر رہا ہوں مَیں

میں بار بار لٹا بے بسی کے ہاتھوں سے
رہا ہوں ایسے ہی زندہ اگر رہا ہوں مَیں

مرا جنوں مری بربادیوں کا باعث ہے
تو کب کسی پہ یہ الزام دھر رہا ہوں مَیں

سمیٹ سکتے ہو تائبؔ کو تم اگر چاہو
وگرنہ جانِ تمنا بکھر رہا ہوں مَیں

غزل

درد ناآشنا کی یاد آئی
آج اُس دل رُبا کی یاد آئی

جانے کیوں بے وفا وہ یاد آیا
جانے کیوں بے وفا کی یاد آئی

یاد آئے وہ پیار کے موسم
اُس کی اک اک ادا کی یاد آئی

حشر کی تلخیوں کو جب سوچا
اُن کے لطف و عطا کی یاد آئی

بتکدوں میں گزار دی ہم نے
عمر بھر نہ خدا کی یاد آئی

جب مرض لا دوا ہوا تائبؔ
چارہ گر کو دوا کی یاد آئی

غزل

وہ کوئی دل ہے کہ جس میں کسی کا پیار نہ ہو
کسی جمال کے جلووں کا جو شکار نہ ہو

وہ اس لیے بھی مجھے اپنے غم نہیں دیتا
کہ اُس کا غم بھی کوئی میرا غم گسار نہ ہو

یہ جان تک تو لگا دی ہے میں نے نام اُس کے
یہ اور بات اُسے پھر بھی اعتبار نہ ہو

ہوا ہے کیا جو نشانے سے تیر چُوک گیا
تو پھر سے تیر چلا اور شرمسار نہ ہو

وہ ہر گھڑی جو مجھے بے قرار رکھتا ہے
مری دعائیں ہیں تائبؔ وہ بے قرار نہ ہو

غزل

آسانی و سکون ، فراوانی ٹال کر
رہتا ہوں خوش میں خود کو مشقت میں ڈال کر

آنسو جو میرے آپ کے دامن پہ گر پڑے
ان موتیوں کو رکھنا مری جاں سنبھال کر

غم یہ کہ ہم کو دنیا نے تقسیم کر دیا
تو دل کے ٹوٹنے کا نہ اتنا ملال کر

میں نے پھر اُن کو مانگ لیا تھا جواب میں
جب مہربان ہو کے وہ بولے سوال کر

آ جاؤں گا میں بزم میں تیری مگر ہے شرط
میری نشست پہلو میں اپنے بحال کر

سچ ہے اگر یہ بات تو پھر حوصلے سے سن
چہرے کو سُرخ اور نہ آنکھوں کو لال کر

تائبؔ فراق و ہجر کی تلخی کو جھیل جا
اے باکمال ایسا بھی کوئی کمال کر

غزل

ایمان سے وہ شخص تو ایماں کی طرح ہے
وہ دشمن جاں مجھ کو مری جاں کی طرح ہے

ہر دن ہے تری صورتِ پُرنور کی صورت
ہر رات تری زلفِ پریشاں کی طرح ہے

عزت میں بہت کرتا ہوں ہر ایک ہی ماں کی
ہر ماں مجھے لگتا ہے مری ماں کی طرح ہے

اک تیری جھلک باعثِ تسکینِ دل و جاں
دیدار ترا درد کے درماں کی طرح ہے

ساون کی طرح میری ہے آنکھوں کا برسنا
اور جلنا مرے دل کا، چراغاں کی طرح ہے

ہر شب ہے مری رنج کی روداد کے جیسی
ہر روز مرا درد کے عنواں کی طرح ہے

جس دن سے مرے دیس کو تم چھوڑ گئے ہو
اُس دن سے مرا دیس بیاباں کی طرح ہے

دستورِ زباں بندی یہاں جب سے ہے نافذ
یہ شہر مرا شہرِ خموشاں کی طرح ہے

ہے وصل ترا گلشن و گلزار کی مانند
اور ہجر ترا خارِ مغیلاں کی طرح ہے

اے قیس! ترا چاکِ گریبان جو دیکھا
یہ چاک مرے چاکِ گریباں کی طرح ہے

ہر صبح، مری صبحِ قفس جیسی ہے تائبؔ
ہر شام مری شامِ غریباں کی طرح ہے

غزل

چاک دامان لیے، چاک گریبان لیے
محفلِ قیس میں پہنچے ہیں یہ سامان لیے

آئے تھے دنیا میں ارمانوں کو پورا کرنے
جائیں گے یاں سے مگر لاکھوں ہی ارمان لیے

لوگ کہتے ہیں جو دیوانہ ہمیں، کہنے دو!
ہم بھی نازاں ہیں کہ زندہ ہیں یہ پہچان لیے

جب کسی سے بھی مرے درد کا درماں نہ ہوا
آ گئی موت مرے درد کا درمان لیے

موسمِ گل ہو خزاں ہو، کہ بہاریں تائبؔ
اپنی تو ذات میں ہم پھرتے ہیں زندان لیے

غزل

مری نظر میں محبت وہ کامیاب نہیں
اٹھایا جس نے کبھی ہجر کا عذاب نہیں

مری خطاؤں کا رکھا تو ہے حساب اس نے
مری وفاؤں کا رکھا مگر حساب نہیں

ہر ایک تیر نشانے پہ جا کے لگتا ہے
نگاہِ ناز کے تیروں کا تو جواب نہیں

وہ میرے پہلو میں آکر ہیں یوں دراز ہوئے
یقین ہی نہیں آتا یہ کوئی خوب نہیں

ہم ایسی بزم میں تائب جی کس لیے جائیں
جہاں شباب نہیں، شیشہ و کباب نہیں

غزل

کیوں اس طرح کی صورتِ حالات ہو گئی
مشکل ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

زلفیں ہٹیں جو رُخ سے تو روشن ہوا تھا دن
واپس ہوئیں تو دیکھیے پھر رات ہو گئی

اک بے وفا کی یاد بھلانے کو زندگی
افسوس یہ کہ نذرِ خرابات ہو گئی

سارے جہاں نشاط کے جب اس کے ہو گئے
پھر رنج و غم کی دنیا مرے ساتھ ہو گئی

تائبؔ کچھ اس طرح سے میں رویا ہوں رات بھر
لگتا ہے جیسے شہر میں برسات ہو گئی